ماہنامہ
دلیلِ راہ
لاہور

مئی 2023ء ۔ شوال المکرم 1444ھ

وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا

اے بی سی تصدیق شدہ اشاعت CPL.No:406

ماہنامہ

دلیلِ راہ

لاہور

شمارہ 05 | مئی 2023ء | جلد 31

مدیر اعلیٰ

سید ریاض حسین شاہ

ہرچہ من در بزمِ شوق آوردہ ام

1	نعت شریف	محمد سعید احمد بدر	2
2	گفتنی و ناگفتنی	سید ریاض حسین شاہ	3
3	تبصرہ و تذکرہ	سید ریاض حسین شاہ	7
4	درس حدیث	حافظ سخی احمد	10
5	اسلام کا نظام صلوٰۃ	سید احمد سعید کاظمی	11
6	پیر محمد کرم شاہ الازہری کی تعلیمی اصلاحات	پروفیسر محمد اکرم ورک	15
7	اللہ کی یاد اور ذکر	آصف بلال آصف	21
8	حضرت بلال رضی اللہ عنہ	سید ریاض حسین شاہ	23
9	غزوہ احد	ذیشان کلیم معصومی	26
10	سنابل نور	سید ریاض حسین شاہ	28
11	مولانا محمد بخش مسلم بی اے	ڈاکٹر محمد صادق خان قادری	29
12	تجارت اور اصول تجارت	ڈاکٹر محمد اظہر نعیم	31
13	نماز کی فکر	اسد رضا اعظمی	35
14	ٹیپو سلطان شہید رحمۃ اللہ علیہ	ماسٹر احسان الٰہی	36
15	یادیں اور باتیں	حافظ شیخ محمد قاسم	39

مشیر ادارت

ڈاکٹر رضا فاروقی

مجلسِ اعزاز

- علامہ حافظ نور محمد بندیالوی
- محمد نواز کھرل
- سید قیصر عباس شاہ
- انجینئر سرفراز احمد ضیغم
- حافظ محمد زبیر اعوان
- ارشد محمود ارشد
- احد شریف
- شیخ محمد راشد

ادارتی معاونین

- ابو محی الدین
- ڈاکٹر منظور حسین اختر
- طالب حسین مرزا
- خادم حسین مرزا
- حافظ محمد عفان منظور

قیمت فی شمارہ

30 روپے

سالانہ خریدار بمعہ ڈاک خرچ

=/450 روپے

بیرون ملک سالانہ

150 ڈالر، 80 پونڈز

رابطہ دفتر: اتفاق اسلامک سنٹر، ایچ بلاک، ماڈل ٹاؤن، لاہور فون: 0322-4301986, 042-35838038

ہیڈ آفس: ادارہ تعلیمات اسلامیہ سیکٹر نمبر 3، خیابان سرسید راولپنڈی فون: 051-4831112

E-mail: daleelerah@gmail.com Online Edition: www.daleelerah.com

پبلشر سید ریاض حسین شاہ نے گنج شکر پرنٹرز سے چھپوا کر ماڈل ٹاؤن لاہور سے شائع کیا

نعت کہنے کی ملی تو فیق اللہ پاک سے
دوستو ! یہ ربّ اکرم کا بڑا احسان ہے
کچھ بھی ہو سکتا نہیں ہے ، اُس کی مرضی کے بغیر
کوئی پتّا ہِل نہیں سکتا ، مرا ایمان ہے
اُس کی رَحمت سے ملے ہم کو نبیِ محترم
سب نبیوں سے ہیں افضل جن کی اعلیٰ شان ہے
جن کو ربّ نے خود کہا ہے رحمۃ للّعالمیں
جن کے قدموں کی زمیں ، رشکِ جناں ، ہر آن ہے
روضۂ اقدس کی عظمت کا بیاں ممکن نہیں
لاکھ ایوانوں سے اُونچا ، آپ ﷺ کا ایوان ہے
گنبد خضرأ ہے دُنیا میں ، سعادت کا نشاں
غم کے ماروں کے لیے تسکینِ قلب و جان ہے
نُور و نکہت کا ہے مرکز ، روضۂ پاک آپ ﷺ کا
روشن و تاباں منور ، ارضِ نُورستان ہے
یاں شفا پاتے ہیں قلب و رُوح کے جُملہ مریض
دُور ہو جاتے ہیں سارے روگ اُن ﷺ کی شان ہے
حَبش سے آیا بلال ، پا گیا من کی مراد
سلمان فارسی بھی آپ ﷺ کا دربان ہے
روم کا اِک رہنے والا نام تھا جس کا صُہیب
وُہ غلامی کی سنَد ملنے پہ خُود حیران ہے
جو بھی آ یا آپ ﷺ کے در پر ، وُہ بہرہ ور ہُوا
بادشاہ ہو یا گدا ، وہ خُوش نصیب انسان ہے
کام آتا ہے جو اہلِ درد کے بدرِ سعید
وُہ غلامی کی سنَد پاتا ہے ، وُہ ذیشان ہے
یا رسول اللہ ! عطا ہو ، آپ ﷺ کے چرنوں کی خاک
خاکِ پا میں ہے شفا مُضمِر ، خُدا کی شان ہے

محمد سعید احمد بدر المعروف بہ سعید بدر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سوچوں کی اَن دیکھی گرہیں بالآخر کھل جائیں گی

زندگی امتحان ہے اور موت امتحان کے ختم ہونے کا اعلان ہے۔ ایک اچھا انسان سمجھتا ہے کہ خلوت اور جلوت دونوں کو اللہ کے لیے ہونا چاہیے۔ وہ لوگ جو خوشی اور غم، مشکلات اور آسانیاں سب کچھ اللہ کے سپرد کر دیتے ہیں وہ صحیح معنوں میں اصحاب ایمان ہوتے ہیں اور وہ ارباب محبت ہونے کا اعزاز بھی رکھتے ہیں۔ ایمان والوں پر اللہ کی طرف سے سکینت نازل ہوتی رہتی ہے۔ مشکل وقت میں اور خوشی کے لطیف لمحات میں شخصیت کو بلند رکھنا کرامت ہوتی ہے۔ بہت کم لوگ اس عزت کو سنبھال کر دنیا سے رخصت ہوئے ہیں۔ دلوں کا پُرسکون رہنا، آنکھوں کا ٹھنڈا رہنا، اردگرد کی فضا کا خوشبوؤں میں ڈوبا رہنا، عبادتوں میں رحمتوں اور انوار کی بارشیں برستے رہنا یہ اللہ ہی کی طرف سے کرم کی سوغاتیں ہیں جو خاص خاص لوگوں کو وہ عطا فرماتا ہے۔

انسان کو پانچ چیزوں سے ہمیشہ دور رہنا چاہیے:

۞ برے دوستوں اور برے مشیروں سے، وہ جنت سے نکال کر الٹی راہ ڈال دیتے ہیں۔ کتنی ہی شخصیتوں کی زندگی کے آسمان تھکے ہوئے فیصلوں کے نتیجے میں قعرِ مذلت بن جاتے ہیں لیکن بے وقت کی پشیمانیوں سے وقت کی ضرورتوں کی قضا نہیں کی جاسکتی۔

۞ دوسری چیز تنگی، کدورت اور نفسوں کا میل ہے اس سے ضیق صدر کی بیماری پیدا ہوتی ہے۔ طبیعت کی گھٹن صحیح فیصلوں کی راہ میں رکاوٹ ہوتی ہے۔ انسان ضیق نفس ہی کی وجہ سے ظلم، زیادتی اور محرومیوں کا شکار ہوتا ہے۔ اچھے وقت کی عبادتوں کا سکون معصیت اور نفس پرستی کی وجہ سے پشیمانی کا محض پسینہ بن کر ماتھے سے ٹپک کر گر جاتا ہے۔ معصیت میں پڑ جانا اور توبہ کی توفیق نہ ہونا قرآن مجید کہتا ہے کہ تمہارے اپنے ہاتھوں کی کمائی ہے۔

۞ تیسری چیز لوگوں سے حسد اور انتقام کا جذبہ ہے۔ یاد رہے کہ حاسد کبھی خوش نہیں ہوسکتا اس کے ساتھ مذکرات کبھی کامیاب نہیں ہوسکتے۔ اصل میں وہ ظرف میں کمینگی کا شکار ہوتا ہے اور دنیا میں بدترین انتقام لینے والے حاسدین اور جبر واکراہ کے شوقین ہوتے ہیں۔ یزید کی بیماری سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ وہ اپنے علاوہ علم، عمل، اقتدار اور نعمت کوئی بھی چیز دوسرے کے پاس برداشت ہی نہیں کرسکتا۔

۞ چوتھی چیز اللہ کے ذکر سے اعراض ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں صاف طور پر ارشاد فرمادیا کہ جو میرے ذکر سے اعراض کرے گا تو اس کی زندگی میں معاشرت تنگ ہوجائے گی۔ بندے کو سکون اللہ کے ذکر ہی سے حاصل ہوسکتا ہے۔ کیا یہ تعجب نہیں کہ کتنے ہی لوگ ہوسِ دنیا کا شکار ہوئے تو ان کی گفتگو سے بسم اللہ کا پڑھنا ہی خارج ہوگیا۔ زندگی کے ہر شعبے میں بے برکتی اللہ کے ذکر سے غافل ہونا ہے۔ اللہ تعالیٰ ذکر کرنے والوں پر سکینت نازل کرتا ہے۔ سکینت تو نام ہی اللہ کی طرف متوجہ رہنے کا ہے۔ نفس کے خدشات اور وسوسے اللہ کے ذکر ہی سے دور ہوسکتے ہیں۔

۞ پانچویں چیز راہ حق میں استقامت ہے۔ ایسے لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نزولِ ملائکہ کا انعام نازل ہوتا ہے۔ روح حق ان کو حصار میں لے لیتی ہے۔ یہ دنیا میں بہادری کی زندگی گزارتے ہیں اور آخرت میں اللہ کی طرف سے ان کی خصوصی مہمان نوازی ہوگی۔ ہمارے دور کا المیہ یہ ہے کہ اس میں اہل کرامت بھی کم ہوگئے ہیں اور اہل استقامت بھی دکھائی نہیں دیتے۔ اسلاف میں سے کسی بزرگ کا قول ہے: ''اہل استقامت اور اہل کرامت دونوں ایک ہی ہوتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ نے کمینگی اور بے عملی دونوں بیماریوں سے پاک کردیا ہوتا ہے''۔

ڈاکٹر عائض القرنی اپنی کتاب ''لاتحزن'' میں لکھتے ہیں:

''چار چیزیں جسم کو لاغر، کمزور اور ضعیف کردیتی ہیں: زیادہ بولنا، زیادہ کھانا، زیادہ سونا اور ازدواجی تعلقات میں کثرت برتنا۔ زیادہ سونے سے چہرہ زرد پڑجاتا ہے، دل اندھا ہوجاتا ہے۔ سستی طاری رہتی ہے اور زیادہ بولنے سے دماغ کا بھیجا کمزور ہوتا ہے۔ کثرت جماع سے اعصاب کمزور ہوجاتے ہیں جو ہر بدن سڑ جاتا اور بدن کی رطوبات خشک ہوجاتی ہیں''۔

ڈاکٹر عائض نے صحیح لکھا کہ وہ دانشور، سیاست دان، علماً اور خطیب جو بولنے میں حد سے زیادہ آگے نکل جاتے ہیں۔ کھانے میں احتیاط نہیں کرتے۔ حرص وآز انہیں روحانی تحفوں سے محروم رکھتی ہے، آخری دور میں وہ نفسیاتی ہوجاتے ہیں۔ غم، فکر، بھوک اور بے خوابی انسان کو توڑ کر رکھ دیتی ہے۔

امام غزالی لکھتے ہیں کہ وہ شخص جو زندگی میں ''تبتل الی اللہ'' اللہ کی طرف تنہا ہونے کی مشق نہیں کرتا ہے، گناہوں میں ڈوبا رہتا ہے آخری عمر میں تنہا رہنا اس کو اندر سے کھانے لگ جاتا ہے۔

ہمارے دور کا المیہ مادیت کے طوفان ہیں۔ مادہ پرستی انسان میں بیزاری پیدا کرتی ہے۔ روحانی شخصیات کبھی بے زار نہیں ہوتیں۔ وہ لوگ جو اصحاب نسبت ہوتے ہیں اور ان کی نسبتیں شریعت اور سنت مطہرہ کا حنوط لیے ہوتی ہیں۔ وہ کبھی

غیر معتدل، بے زار، نا امید اور قنوطیت کا شکار نہیں ہوتے۔ ایک بڑا مسئلہ ضرور ہے کہ لوگ سکون، امید اور محبت کی تلاش میں خانقاہوں کی طرف دوڑتے ہیں لیکن رجال اللہ کی ملاقاتوں کی بجائے ڈبے پیران کا استقبال کرتے ہیں۔ اللہ والوں کی نشانی یہ ہوتی ہے کہ وہ توڑتے نہیں جوڑتے ہیں۔ یہی لوگ اصل میں عقل مند ہوتے ہیں۔ خوشیوں کے جہرنے انہی کے آستانوں سے پھوٹتے ہیں۔ یہ لوگ جلد باز نہیں ہوتے۔ حلفاً یہ بات لکھی جاتی ہے کہ صاحب یقین شخص کی زندگی انتہائی محتاط ہوتی ہے۔ وہ عواقب کو پڑھنے والا ہوتا ہے۔ ایسی ہستیاں کم ہیں لیکن یہ بیدار مغز لوگ نہ ہوں تو زمین فنا ہو جائے۔

شوال المعظم کے مہینے میں یہ مثال آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہوگی کہ اُحد کے میدان میں جب احوال زیر و زبر ہو گئے اس وقت بھی حضور ﷺ نے اپنے مقاصد، پیغامات، دعوات، افکار اور انداز زندگی کو تشتت سے محفوظ رکھا اور اپنے منشورِ حیات کو بکھرنے نہ دیا۔ صبح کی نماز آپ نے ادا فرمائی اور اس کے فوراً بعد آپ نے ایک مختصر خطبہ ارشاد فرمایا۔ اس خطبے کو پڑھنے والے پر لازم ہے کہ وہ محسوسات کو بیدار کرے اور سوچے کیا جنگوں میں اس قسم کے خطبے دیے جا سکتے ہیں لیکن ایک نبی، رسول اور اللہ کے بندے میں اور دوسرے سیاست دانوں کی فکر میں کتنا فرق ہوتا ہے۔ مذہبی لوگوں کو کم از کم حضور ﷺ ہی کے اسوۂ حسنہ سے مستفید ہونا چاہیے ایسے انقلاب کو آگ لگ جائے جس میں مصطفیٰ کریم کے نظام کی روشنی نہ ہو۔

حضور انور ﷺ نے ارشاد فرمایا اور یہ ارشادات اس وقت صادر فرمائے جب مکہ کی مشرکہ عورتیں (نام لینے کی ضرورت نہیں) اپنی زبانوں سے آگ اُگل رہی تھیں۔ ان کے تھرکتے جسم اپنے مشرک بڑوں کے میمنہ و میسرہ پر بجلیاں گرا رہے تھے۔ وہ اپنے گلوں میں قیمتی ہار ہاتھوں میں پکڑ کر لڑنے والوں کو شکار کر رہی تھیں۔ طوفان بدتمیزی، سبّ و شتم، تکبر، تفاخر اور جے لات اور جے منات کے نعرے، ایسے میں رسولِ معظم ﷺ کا خطبہ چراغوں کی روشنی، دھنک کے رنگ، آسمان کی بلندی، تاروں کی جھلملاہٹ، آفتاب کی تمازت، بجلیوں کی شوخی، ندیوں کی روانی، شبنم کی طراوٹ اور ماہتاب کا دودھیا نور سب خطبۂ عظیمہ کے لفظوں کے سامنے ہیچ دکھائی دیتا ہے۔

آپ نے ارشاد فرمایا:

''اے لوگو! میں تمہیں وصیت کرتا ہوں جس کا حکم اللہ نے مجھے اپنی کتاب میں دیا ہے وہ یہ کہ میں اسی کی اطاعت کروں اور حرام چیزوں سے بچوں کو بھی اور دوسروں کو منع بھی کروں۔

تم آج ایک ایسے مقام پر کھڑے ہو جہاں اجر ہی اجر اور ثواب ہی ثواب ہے۔ ہاں یہ اس کے لیے ہے جو اپنے اس مقام کی یاد دل میں رچائے ہوئے ہے اور اس نے نفس کو مقام صبر پر اتار دیا ہے اور یقین، تگ و تاز اور نشاط نفسی اس کی روح کی پہچان ہے۔

یاد رکھو!

دشمن سے جہاد ایک مشکل کام ہے۔ بہت کم لوگ ہیں جو حق کے لیے ڈٹے رہنے کا عزم رکھتے ہیں۔۔۔۔!! ہاں اللہ تعالیٰ جس کے لیے رشد و ہدایت آسان کر دے اُس کے لیے یہ چیزیں مشکل نہیں رہتیں، وہ شخص جو اللہ کی اطاعت کرے اللہ اُسے اپنی خصوصی معیت سے نوازتا ہے اور وہ شخص جو اللہ کی

معصیت میں پھنس جائے شیطان اُس کا ساتھی ہوتا ہے۔

آج تم سب لوگ اعمال صالحہ کا آغاز جہاد سے کرو اللہ سے فتح کا انعام مانگو ایسی فتح جس کا وعدہ اس نے تمہارے ساتھ کر رکھا ہے۔ اللہ کے احکام کی ہر حالت میں پابندی کرو اس لیے کہ میں تمہاری ہدایت عملی پر حریص ہوں۔ آپ میں اختلافات، تنازعات اور بزدلی، عجز اور ضعف کی علامتیں ہیں۔ اللہ ان چیزوں کو پسند نہیں کرتا اور نہ ہی وہ ان چیزوں کے ہوتے ہوئے کسی کو نصرت اور فتح سے نوازتا ہے۔

یہ چیز اللہ نے نئے سرے سے میرے سینہ میں القا کی ہے جو شخص کوئی حرام کام کرتا ہے اللہ اپنے اور اس کے درمیان فاصلہ پیدا کر دیتا ہے اور جو حرام سے منہ موڑتا ہے اللہ اُس کے گناہ معاف کر دیتا ہے اور جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے اللہ اور اس کے فرشتے اس پر دس رحمتیں نازل کرتے ہیں۔

اور وہ شخص جو کسی مسلمان یا کافر کے ساتھ احسان کرے اللہ پر اس کا اجر ثابت ہو جاتا ہے دنیا اور آخرت دونوں میں۔ وہ شخص جو اللہ پر اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس پر جمعہ فرض ہے۔ جو جمعہ سے بے پروائی کرے اللہ اس سے بے پروائی کرے گا اور اللہ غنی حمید ہے۔ میں نے تمہیں اللہ سے قریب کرنے والے اعمال بتا دیے ہیں"۔

اس کے بعد حضور ﷺ نے رزق حلال کی اہمیت ارشاد فرمائی:

مشتبہ چیزوں سے بھی بچنے کا حکم دیا اور خصوصیت کے ساتھ فرمایا کہ رزق کے معاملہ میں تاخیر تمہیں معصیت پر برانگیختہ نہ کرے۔

آخر میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"ایک مومن دوسرے مومن کے لیے اس طرح ہے جیسے سر جسم کے لیے ہوتا ہے۔ جب سر بیمار ہوتا ہے تو سارا جسم بے قرار ہو جاتا ہے اور تم سب پر اللہ کی طرف سے سلامتی ہو"۔

یاد رکھنے اور عمل کرنے کے لیے حضور ﷺ کی باتیں روحانی سوغات ہیں۔ ہمیں اُن باتوں کو خود پر سائے کی طرح نہیں گزارنا چاہیے، قیامت تک کے لیے مشعل راہ اور حرز جان بنا لینا چاہیے۔ حاصل زندگی تو بس یہی متاع گراں بہا ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ سوچوں کی ان دیکھی گرہیں بالآخر کھل جائیں گی۔

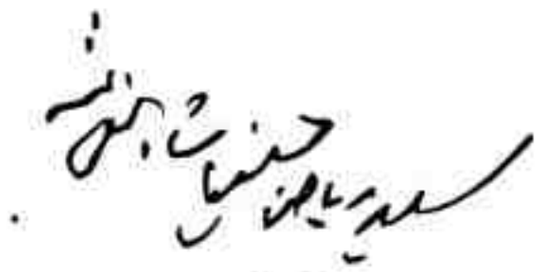

سید ریاض حسین شاہ

حرف حرف روشنی

سید ریاض حسین شاہ

سید ریاض حسین شاہ قرآن مجید وفرقان حمید کی تفسیر ''تبصرہ'' کے عنوان سے تحریر کررہے ہیں۔ ان کا اسلوب نگارش منفرد اور دیگر مفسرین سے مختلف بھی ہے اور دلچسپ بھی۔ انداز بیان سادہ اور دلکش ہے جس میں رموز ومعانی کا سمندر موجزن ہوتا ہے۔ ذیل میں ہم قارئین کی دلچسپی کے لیے سورہ آل عمران کی آیت نمبر 152 تا 153 کی تفسیر پیش کررہے ہیں۔ (ادارہ)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَ لَقَدۡ صَدَقَکُمُ اللّٰہُ وَعۡدَہٗۤ اِذۡ تَحُسُّوۡنَہُمۡ بِاِذۡنِہٖ ۚ حَتّٰۤی اِذَا فَشِلۡتُمۡ وَ تَنَازَعۡتُمۡ فِی الۡاَمۡرِ وَ عَصَیۡتُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ مَاۤ اَرٰىکُمۡ مَّا تُحِبُّوۡنَ ؕ مِنۡکُمۡ مَّنۡ یُّرِیۡدُ الدُّنۡیَا وَ مِنۡکُمۡ مَّنۡ یُّرِیۡدُ الۡاٰخِرَۃَ ۚ ثُمَّ صَرَفَکُمۡ عَنۡہُمۡ لِیَبۡتَلِیَکُمۡ ۚ وَ لَقَدۡ عَفَا عَنۡکُمۡ ؕ وَ اللّٰہُ ذُوۡ فَضۡلٍ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۱۵۲﴾ اِذۡ تُصۡعِدُوۡنَ وَ لَا تَلۡوٗنَ عَلٰۤی اَحَدٍ وَّ الرَّسُوۡلُ یَدۡعُوۡکُمۡ فِیۡۤ اُخۡرٰىکُمۡ فَاَثَابَکُمۡ غَمًّۢا بِغَمٍّ لِّکَیۡلَا تَحۡزَنُوۡا عَلٰی مَا فَاتَکُمۡ وَ لَا مَاۤ اَصَابَکُمۡ ؕ وَ اللّٰہُ خَبِیۡرٌۢ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۵۳﴾

''اللہ نے تم سے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا جب تم اُس کے اذن سے انہیں خوب قتل کر رہے تھے یہاں تک کہ تم سُست پڑ گئے اور تم نے حکم ہی میں تنازع کر دیا اور نافرمانی کی بعد اس کے کہ تمہیں دکھا دیا تھا وہ جو تم پسند رکھتے تھے، تم میں سے بعض دنیا چاہتے تھے اور بعض تم میں سے آخرت کے طلبگار تھے پھر اللہ نے تمہیں ان سے پھیر دیا تا کہ تمہارا امتحان لے اور بے شک اس نے تم سے درگزر فرمایا اور اللہ مومنین کے حق میں بڑے فضل والا ہے اور جب تم اُوپر چڑھے جا رہے تھے اور مُڑ کر کسی ایک کو دیکھتے تک نہ تھے اور رسول معظّم تمہیں پیچھے سے پکار رہے تھے اس کے بعد تم پر مسلسل غموں پر غم ٹوٹے تا کہ تم رنجیدہ نہ ہو اس پر جو تمہارے ہاتھ سے نکل جائے اور نہ ان مصیبتوں پر جو تمہیں پہنچیں اور اللہ جو بھی تم کرتے ہو اس سے خوب خبردار ہے''۔

وَ لَقَدۡ صَدَقَکُمُ اللّٰہُ وَعۡدَہٗۤ اِذۡ تَحُسُّوۡنَہُمۡ بِاِذۡنِہٖ ۚ حَتّٰۤی اِذَا فَشِلۡتُمۡ وَ تَنَازَعۡتُمۡ فِی الۡاَمۡرِ وَ عَصَیۡتُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ مَاۤ اَرٰىکُمۡ مَّا تُحِبُّوۡنَ ؕ مِنۡکُمۡ مَّنۡ یُّرِیۡدُ الدُّنۡیَا وَ مِنۡکُمۡ مَّنۡ یُّرِیۡدُ الۡاٰخِرَۃَ ۚ ثُمَّ صَرَفَکُمۡ عَنۡہُمۡ لِیَبۡتَلِیَکُمۡ ۚ وَ لَقَدۡ عَفَا عَنۡکُمۡ ؕ وَ اللّٰہُ ذُوۡ فَضۡلٍ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۱۵۲﴾

''اللہ نے تم سے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا جب تم اُس کے اذن سے انہیں خوب قتل کر رہے تھے یہاں تک کہ تم سُست پڑ گئے اور تم نے حکم ہی میں تنازع کر دیا اور نافرمانی کی بعد اس کے کہ تمہیں دکھا دیا تھا وہ جو تم پسند رکھتے تھے، تم میں سے بعض دنیا چاہتے تھے اور بعض تم میں سے آخرت کے طلبگار تھے پھر اللہ نے تمہیں ان سے پھیر دیا تا کہ تمہارا امتحان لے اور بے شک اس نے تم سے درگزر فرمایا اور اللہ مومنین کے حق میں بڑے فضل والا ہے''۔

آیت کا پہلا حصہ

اللہ تعالیٰ نے تم سے اپنا کیا ہوا وعدہ سچا کر دکھایا جب تم غزوۂ احد میں کفار کو قتل کررہے تھے۔ اس وعدہ سے مراد اللہ کا اپنے رسول سے وعدہ ہے۔ آپ ﷺ نے ایک خواب دیکھا تھا کہ آپ ایک بکرا ذبح کررہے ہیں۔ اس خواب کی تعبیر اُحد میں کفار کے قتل ہونے سے کی گئی۔ ابتدا میں یہی کیفیت تھی کفار مکہ کا علمبردار طلحہ بن عثمان اپنے نو ساتھیوں سمیت پہلے ہی ہلہ میں مارا گیا۔ ابی بن خلف احد کی گھاٹی پر یہ کہتا ہوا ملا کہ آپ بچ گئے ہیں تو میں نہیں بچ سکتا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی یارسول اللہ! اگر آپ اجازت دیں تو ہم اس مردود کا فیصلہ کردیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا: اس کو آگے آنے دو، جب وہ لہکتا ہوا قریب آیا تو آپ ﷺ حارث بن صمہ کے ہاتھ سے نیزہ لے کر اسے مارا۔ نیزہ ابی کی گردن میں جا کر بجا اور وہ گھوڑے سے بیل کی طرح ڈکراتے ہوئے نیچے گرا اور موضع سرف میں جا کر واصل جہنم ہوگیا۔ ابتدائے جنگ میں یہی حال تھا کہ مسلمانوں نے اللہ کے حکم سے کفار کے کشتوں کے پشتے لگا دئے تھے اور مشرکین بد حواس ہوکر بھاگ نکلے تھے۔ جنگ کا یہی منظر آیت کی ابتدا میں موضوع ہدایت بنایا گیا (520)۔

آیت کا دوسرا حصہ

''یہاں تک کہ تم کمزور پڑ گئے اور امر رسول میں باہم نزاع میں جا مبتلا ہوئے یوں تم سے دامن اطاعت مضبوط نہ تھاما جا سکا''۔ قرآن مجید کے اس حصے کو سمجھنے کے لیے بخاری کی ایک روایت ملاحظہ ہو (521):

حضرت براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''اُحد کے دن ہمارا مشرکوں سے آمنا سامنا ہوا، نبی کریم ﷺ نے تیر اندازوں کی ایک جماعت ایک گھاٹی پر مقرر فرمائی اور عبداللہ بن جبیر کو ان کا امیر مقرر فرمایا اور حکم دیا تم نے کسی بھی صورت میں یہاں سے ہٹنا نہیں۔ اگر تم یہ بھی دیکھ لو کہ ہم غالب آ گئے ہیں پھر بھی اپنی جگہ نہیں چھوڑنا اور اگر یہ دیکھو کہ وہ ہم پر غالب آ رہے ہیں پھر بھی تم نے اپنی جگہ ہی رہنا ہے۔ جب لڑائی شروع ہوئی تو مشرکین بھاگ پڑے، یہاں تک کہ ان کی عورتوں کو دیکھا گیا کہ وہ کپڑے پنڈلیوں سے چڑھائے پہاڑ کی طرف بھاگ رہی ہیں، یہاں تک کہ ان کی پازیبیں نظر آ رہی تھیں۔ اس کیفیت میں مسلمانوں میں غنیمت غنیمت کی گونج پڑ گئی۔ گھاٹی والوں کو عبداللہ بن جبیر

نے منع کیا لیکن وہ باز نہ آئے اور یوں ان میں پسپائی آ گئی۔ ستر صحابہ شہید ہو گئے اور مسلمانوں کا بے حد نقصان ہوا"۔

آیت کے اس حصے میں اسی کمزوری، تنازع اور عصیان کا ذکر کیا گیا۔

استقامت کا آسمان

حضرت مقداد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے (522):

"قسم ہے اس کی جس نے حضرت محمد ﷺ کو حق دے کر مبعوث کیا، احد میں جب گھمسان کا رن پڑ رہا تھا حضرت محمد ﷺ اپنی جگہ سے ایک بالشت نہیں ہٹے، آپ دشمن کے مقابلہ میں ثابت قدم رہے"۔

حضور ﷺ کے ساتھ کل پندرہ صحابہ رہ گئے تھے ان میں آٹھ مہاجر اور سات انصار تھے (523)۔

مہاجرین اور اولوالعزم ہستیاں یہ تھیں:

1۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ
2۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ
3۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ
4۔ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ
5۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ
6۔ حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ
7۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ
8۔ حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ

اور انصار میں سے یہ لوگ اصحاب استقامت تھے:

1۔ حضرت حباب بن منذر رضی اللہ عنہ
2۔ حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ
3۔ حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ
4۔ حضرت حارث بن صمہ رضی اللہ عنہ
5۔ حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ
6۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ
7۔ حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ

تفسیر کبیر نے لکھا کہ اُحد کے دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی پیچھے ہٹ جانے والوں میں تھے وہ پہاڑ پر چڑھ گئے تھے۔ رازی کی بات سمجھ نہیں آئی۔

آیت کا تیسرا حصہ
"مَّا تُحِبُّوْنَ" کا ظہور

قرآن مجید کی یہ آیت بتاتی ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا عشق پہلے جلوہ گر ہوا۔ کامیابی نے اپنے چہرے سے نقاب پلٹ دیا۔ عزائم اور حوصلوں کی بارش برسنے لگ گئی۔ تلواروں سے تلواریں ٹکرائیں لیکن شجاعتوں کے شعلہ ہائے نور نے کفر کو پسپا کر دیا لیکن گھاٹی والوں نے جونہی اپنی جگہ چھوڑی کمزوری مسلمانوں کی فوجوں میں گھس گئی۔ امر رسول کو پشت دینے کا عتاب اترا۔ نزاع اور اختلاف جہاں بھی وارد ہوں تباہی اور بربادی لاتے ہیں۔

آیت کا چوتھا حصہ

آیت نے ضمیروں کو جھنجوڑا کہ تم میں سے بعض وہ ہیں جو دنیا کا ارادہ رکھتے ہیں یعنی مالِ غنیمت کا ارادہ رکھتے ہیں اور تم میں سے بعض ایسے ہیں جو آخرت ہی کا ارادہ رکھتے تھے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو مرکز میں ثابت قدم رہے یعنی پہاڑی درہ پر قائم رہے یہی وہ عظیم مجاہدین ہیں جنہوں نے جام شہادت نوش کر لیا لیکن اپنی جگہ نہ چھوڑی۔

آیت کا پانچواں حصہ

قاضی ثناءاللہ پانی پتی لکھتے ہیں (524) کہ قرآن کا یہ حصہ "پھر اس نے پھیر دیا تمہیں ان سے" مسلمانوں کی وقتی پسپائی کی طرف اشارہ ہے۔ آیت نے اس خونچکاں منظر کو بھی مسلمانوں کی آزمائش قرار دیا۔

ابوحیان اندلسی لکھتے ہیں کہ تمہیں غم اور مصیبت اٹھانی پڑی اس لئے کہ تم میں سے مصیبتوں پر صبر کرنے والوں کا انتخاب کر لیا جائے اور دیکھا جائے ثابت قدم کون رہتا ہے (525)۔

آیت کا چھٹا حصہ

اس آیت نے جہاں شہکار تربیت لوگوں کی بعض باتوں پر گرفت کی۔ تم کمزور پڑ گئے، تم لوگوں نے باہم نزاع کیا اور تم میں سے بعض دامن اطاعت کے تھامنے پر مستقیم نہ رہ سکے، وہاں تاریخی عام معافی کا اعلان کر دیا۔ اسلوب کی شہادت ملاحظہ ہو کہ ماضی پر "قد" داخل کیا اور پھر اسے لام تاکید سے مزید پختگی بخشی اور فرمایا: "اللہ نے معاف فرما دیا ہے"۔

اے کاش!!

اے کاش! سرسری قرآن پڑھنے والوں کی ذہنیتیں خراب نہ ہوتیں اور وہ باطن کو اجاڑنے والے نہ ہوتے، وہ ہر عزت والے کی عزت کرتے۔ قاری قرآن کا یہ حق تو ہے کہ اصحاب استقامت کے کردار سے حوصلوں کی خیرات لیتے لیکن جنگی کیفیت کے عارضی ذہول پر تلواریں تان لینا مناسب نہیں، جن کی معافی کا اعلان قرآن نے کر دیا ہے۔ قرآن پڑھنے والوں کو بھی تعصّبات کے خول سے باہر آ جانا چاہیے اور قافلۂ اوّل کے عظیم اور فضیلت مآب مجاہدین کی خاکِ پا کو اپنی آنکھوں کا سرمہ بنانے کا مسلک اپنانا چاہیے اور یہ میٹھی کھجور بھی ہضم ہونی چاہیے کہ عزت والوں کی فہرست سے علی رضی اللہ عنہ کو نکالنا خارجیت نہیں تو اور کیا ہے؟ اس نام کا ورد تو اگلوں کو بھی فائدہ دیتا تھا بعد میں آنے والوں کو بے وقوف نہیں بننا چاہیے، ستاروں کی بھی قدر کرنی چاہئے اور چاند سے بھی پیار نبھانا چاہیے، علی رضی اللہ عنہ تو چاند کی طرح چمکنے والا نام ہے۔

چاند اترتا ہے اب کس کس آنگن میں ؟
کرنوں سے محروم گھرانے کیسے ہیں ؟

اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَ لَا تَلْوٗنَ عَلٰٓى اَحَدٍ وَّ الرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ فِيْٓ اُخْرٰىكُمْ فَاَثَابَكُمْ غَمًّۢا بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَآ اَصَابَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵۳﴾

"اور جب تم اُوپر چڑھے جا رہے تھے اور مُڑ کر کسی ایک کو دیکھتے تک نہ تھے اور رسول معظّم تمہیں پیچھے سے پکار رہے تھے اس کے بعد تم پر مسلسل غموں پر غم ٹوٹے تاکہ تم رنجیدہ نہ ہو اس پر جو تمہارے ہاتھ سے نکل جائے اور نہ ان مصیبتوں پر جو تمہیں پہنچیں اور اللہ جو بھی تم کرتے ہو اس سے خوب خبردار ہے"۔

جنگی منظر

عامۃ المفسرین نے "غزوۂ اُحد" کی تصویر کشی کو موضوع سخن بنایا ہے۔ ہمارے نزدیک عمودِ تفسیر استقامتِ رسول ہے۔ رسول معظم کا بلانا معمولی نہیں تھا، غیر معمولی فضیلتوں اور ہمتوں کا عکاس تھا۔ یہ بات ٹھیک ہے کہ کفار نے جب حملہ کیا مجاہدین ادھر

ادھر بکھر گئے۔ پریشانیوں اور اضطرابات نے ماحول کو منتشر کر دیا، سپاہیوں کے بے سمت بھاگنے سے ماحول کی لرزش توجہ اور التفات نہیں چاہ رہی، توجہ اس طرف قرآن پھیر رہا ہے کہ ماحول کی شدت دیکھیے اور پھر رسول معظم کی دعوت مسموع ہو۔

رحمت عالم ﷺ پر ستر حملے ہوئے کہ اس چراغ حسن کو بجھا دیا جائے۔ عتبہ بن ابی وقاص نے چار بار پتھروں کے ساتھ حملہ کیا۔ دندان مبارک شہید ہوئے، سر اقدس بھی زخمی ہوا۔ ابن قمیہ کے تیر سے رخسار مبارک لہو میں نہا گئے لیکن حوصلوں کی عظمت ملاحظہ ہو کہ آپ ایک پتھر پر چڑھ گئے اور مسلمانوں کو بلانے لگے۔ کعب نے دیکھا کہ خود کے نیچے سے چشمان مبارک کی روشنی پھوٹ رہی تھی، انہوں نے بلند آواز سے بشارت نوازی کی، مسلمانو! وہ دیکھو ہماری تمناؤں کے مرکز قائم ہیں، دیکھتے دیکھتے آپ کے اردگرد غلاموں نے پھر خود کو منظم کر لیا۔ رسول معظم کی شہادت کی خبر گرم ہونے پر صحابہ کی پریشانیاں اور بے تابیاں جب بھڑک گئیں تو قرآن مجید نے اس منظر کو ''تُصْعِدُوْنَ'' سے تعبیر کیا۔ یہ بات سمجھ میں آنے والی ہے کہ شمع کے گل ہونے پر پروانے بظاہر بے مقصد سے لگتے ہیں لیکن جب سنبھالا دینے والا شمعِ رسالت کے پروانوں کے مسلک عشق کا خود محافظ ہو تو کس کی جرأت ہے کہ وہ تنقید کے لئے زبان وا کرے۔ عربی زبان میں ''صعود'' کا معنیٰ اونچی جگہ چڑھنا ہوتا ہے اور ''اصعاد'' ہموار زمین میں تیز قدموں سے دوڑنا ہوتا ہے۔ آیت کا یہ حصہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی روحی کیفیت کی عکاسی کر رہا ہے۔ پیاس میں بھٹک کر سراب کو منزل قرار دینا مجاز ہے لیکن ''چراغ حق'' کی روشنی کا مشاہدہ میں نہ آنا ایک روحی بے چینی کا اظہار ہے۔ کبھی اوپر جانا اور کبھی نیچے اترنا، بے تابی میں کسی کا کسی کو مڑ کر دیکھنا تک نہ، ماحول کی یہ بے چینیاں کسی کی محبت کی تعبیر بھی ہو سکتی ہیں۔ راقم کلمات کی کوشش کو منافقین کی ڈھال نہ سمجھا جائے، عاشقین کی بے تابی تصور کیا جائے۔ مُنہ اٹھا کر بھاگنے کی تعبیر حضور ﷺ کے مخلص غلاموں کے لیے اچھی نہیں لگتی، ہاں کہا جا سکتا ہے کہ منافقوں کی حالت اس سے بھی بدتر تھی۔ آیت کی معنوی تعبیرات میں رسیلے گیتوں کی چاشنی بھی محسوس کی جا سکتی ہے اور تلواریں پھینکنے والوں کو سخت سست بھی کہا جا سکتا ہے لیکن ہمارے خیال میں معبود محبوب کو پتھر پر استقامت کا آہنی لباس پہنا کر اتنا اونچا کر دیتا ہے کہ اعلان کیا جا سکتا ہے کہ جس نے قدم دیکھنے ہوں میدان اُحد دیکھ لے اور جس نے فضیلت اور سربلندی دیکھنی ہو وہ غور سے دیکھ لے عرش الٰہی کیسے ان کے سر پر احد میں جلوہ فگن نظر آ رہا ہے۔

''اُخْرٰىكُمْ'' کی تشریح

اس کے دو مفہوم ہو سکتے ہیں اور دونوں ہی مفسرین سے مروی ہیں: ایک تو یہ کہ ''اُخْرٰىكُمْ، ورائکم'' کے معنیٰ میں استعمال ہوا ہے یعنی تم جب بیاباں اور کوہستانی سلسلہ میں سرگرداں تھے رسول معظم تمہارے پیچھے سے آواز دے رہے تھے اور دوسرا معنیٰ یہ ہو سکتا ہے کہ تم لوگ جب دہشت زدہ اور مضطرب تھے رسول معظم کے ساتھ چند لوگ موجود تھے جو مطمئن ہو کر مجسمۂ اطاعت بنے ہوئے تھے۔ قرآن حکیم کی یہ آیت بلاغت کا آسماں محسوس ہو رہی ہے۔ ایک طرف نفسیاتی اضطراب کی لرزہ فگن تصویر جو تھر تھرا رہی ہے اور دوسری طرف استقامت اور شجاعت کا فطری رنگ نفسیاتی حوصلوں کی رفعت کا نشان بنا ہوا ہے (526)۔

حضور ﷺ کے یہ الفاظ ''میں کیا کہوں اور کیا لکھوں''، مُردوں کو زندگی کا پیغام دے رہے تھے۔ مسیحائی کا یہ عجب جلوہ تھا جو کافروں کو کھیت کر رہا تھا اور محبین کے زخموں کو مندمل کر رہا تھا۔

آپ فرما رہے تھے:

الیَّ عباد اللہ!!!

الیَّ عباد اللہ!!!

فانی رسول اللہ!!!

بندگانِ خدا ذرا میری طرف

بندگانِ الٰہ میں یہاں ہوں، ادھر بڑھو!!!

تو دیکھو میں یہ ہوں!!!

''اللہ کا رسول''

''اللہ کا رسول''

ممکن ہے اُحد کے حالات نفسیاتی کمزوریوں کے طعنے نہ ہوں، بے سہاروں کی ٹیک ہو اور مقام رسالت کی جلوہ نمائی ہو اور دستور حق کے لیے وفا کے چند پیکروں کی داستانِ عزیمت ہو، میرے نزدیک ''اُخْرٰىكُمْ'' کا راز یہی ہے۔

آیت کا خاص حصہ

زیر تفسیر آیت کا خاص حصہ ''فَاَثَابَكُمْ'' ہے۔ یہ لفظ ''ثواب'' ہی سے ماخوذ ہے اور ''ثواب، ثوب'' کے پودے پر آنے والا پھول ہے۔ کپڑے کو ''ثوب'' اس لیے کہتے ہیں کہ وہ دوہرا اور چوہرا ہو سکتا ہے۔ ''ثواب'' بھی کیفیات اور جزاؤں کا دوہرا اور چوہرا ہونا ہوتا ہے۔ اساسی لغت میں اس کا مفہوم لوٹنا ہوتا ہے۔ ''ثابت العقل'' کا مفہوم عقل اور یاد کا پلٹ آنا ہوتا ہے۔ خانہ کعبہ کو ''مثابة'' کہنا لوٹ کر آنے کی جگہ کا مفہوم دیتا ہے۔ بیوہ عورت کو ''ثیبہ'' کہنا شادی کی کیفیت کا مکرر ہونے کی طرف اشارہ ہے (527)۔ ''ثواب'' خیر کا کثرت کے ساتھ مل جانا ہوتا ہے۔ آیت میں ''فَاَثَابَكُمْ'' کا لفظ خود معانی کے بیجوں سے مفہومات کی فصل پیدا کرتا ہے کہ اُحد میں جو تکلیفیں پہنچیں وہ دواؤں پر مشتمل انجکشن کی طرح تھیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ انہیں لفظ ''ثواب'' کا تعبیری جامہ پہنا کر ہدیہ کرتا ہے۔ غموں پر غم ثواب بنا دینا ایک دلکش تعبیر ہے۔ ممکن ہے غلطی پر جو دل اور روح میں گھٹن، چبھن اور بے چینی محسوس ہوتی ہے اس سے مراد غم کی تعبیر بنا دی گئی ہو۔ اس نوعیت کی بے چینیاں چونکہ تعمیر شخصیت کی بنیاد بن جاتی ہیں اس لئے ''فَاَثَابَكُمْ'' پہنچانے کے لیے استعمال ہوا اور مفسرین نے یہ بھی لکھا کہ اُحد میں جو غم اور صدمے مسلمانوں پر ٹوٹے، پسپائی کے لیے دباؤ، وفادار مجاہدین کی شہادت، زخموں کی ٹیسیں، رحمت عالم ﷺ کی شہادت کی خبر، روحوں کی نفسیاتی جلن اور دلوں کی بے چینی، ان تمام عوارض کو ''غَمًّا بِغَمٍّ'' سے تعبیر کر دیا گیا۔ اس صورت میں ''غم'' پر ''با، علی'' کے معنوں میں ہوگی۔ ''با'' اگر بدلیت کی ہو تو مفہوم ہوگا کہ ہر غم کچھ بدلیت کا انعام لے کر آیا، اشارہ معافی کی طرف بھی ہو سکتا ہے اور کافروں سے انتقام کی جلن بھی ہو سکتی ہے۔ تفصیل تفسیر کبیر میں ملاحظہ ہو (528)۔

''لِّكَيْلَا تَحْزَنُوْا'' کی تفسیر

یہاں مفسرین نے دو احتمال نقل کیے ہیں:

☆ پہلا احتمال یہ ہے کہ اس کا تعلق ''وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ'' سے ہے۔ مطلب یہ ہوگا کہ تمہیں عفو سے نواز دیا گیا تا کہ تم کسی چیز کے کھو جانے پر غم نہ کرو اور کسی مصیبت کی وجہ سے غم میں الجھ نہ جاؤ۔ بے شک اللہ جب معاف فرما دے تو غم اور پریشانی ختم ہو جاتی ہے۔ (529)

☆ دوسرا احتمال یہ ہے کہ آیت کا تعلق ''فَاَثَابَكُمْ'' سے ہے۔ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا تم پر غموں کے پہاڑ توڑے گئے تا کہ تم کسی چیز کے ضائع ہونے پر اور کسی مصیبت کے پہنچنے پر غم نہ کھاؤ (530)۔

بقیہ صفحہ نمبر 27 پر

جبلِ اُحد بھی عظمتِ سیدۂ کائنات کا گواہ

حافظ سخی احمد

عَنْ أَبِي حَازِمٍ، أَنَّهُ سَمِعَ سَهْلَ بْنَ سَعْدٍ، وَهُوَ يُسْأَلُ عَنْ جُرْحِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: "أَمَا وَاللَّهِ إِنِّي لَأَعْرِفُ مَنْ كَانَ يَغْسِلُ جُرْحَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَمَنْ كَانَ يَسْكُبُ الْمَاءَ، وَبِمَا دُووِيَ، قَالَ: كَانَتْ فَاطِمَةُ عَلَيْهَا السَّلَامُ بِنْتُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَغْسِلُهُ، وَعَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ يَسْكُبُ الْمَاءَ بِالْمِجَنِّ، فَلَمَّا رَأَتْ فَاطِمَةُ أَنَّ الْمَاءَ لَا يَزِيدُ الدَّمَ إِلَّا كَثْرَةً، أَخَذَتْ قِطْعَةً مِنْ حَصِيرٍ، فَأَحْرَقَتْهَا وَأَلْصَقَتْهَا، فَاسْتَمْسَكَ الدَّمُ، وَكُسِرَتْ رَبَاعِيَتُهُ يَوْمَئِذٍ، وَجُرِحَ وَجْهُهُ، وَكُسِرَتِ الْبَيْضَةُ عَلَى رَأْسِهِ" (صحیح بخاری)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے نبی کریم ﷺ کے (غزوۂ احد کے موقع پر ہونے والے) زخموں کے متعلق پوچھا گیا، تو انہوں نے بیان کیا کہ اللہ کی قسم! مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زخموں کو کس نے دھویا تھا اور کون ان پر پانی ڈال رہا تھا اور جس دوا سے آپ کا علاج کیا گیا۔ انہوں نے بیان کیا کہ فاطمہ علیہا السلام رسول اللہ ﷺ کی لختِ جگر خون کو دھو رہی تھیں۔ حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ ڈھال سے پانی ڈال رہے تھے۔ جب سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے دیکھا کہ پانی ڈالنے سے خون اور زیادہ نکلا آرہا ہے تو انہوں نے چٹائی کا ایک ٹکڑا لے کر جلایا اور پھر اسے زخم پر چپکا دیا جس سے خون کا آنا بند ہو گیا۔ اسی دن نبی کریم ﷺ کے آگے کے دندان مبارک شہید ہوئے تھے۔ آپ ﷺ کا چہرہ مبارک زخمی ہو گیا تھا اور خود بھی سر مبارک پر ٹوٹ گئی تھی۔

امام بخاری نے سیدۂ کونین علیہا السلام کی شجاعت و بہادری کے اس واقعہ کو صحیح بخاری میں درج ذیل ابواب میں روایت کیا ہے:

1۔ بَابُ غَسْلِ المَرْأَةِ أَبَاهَا الدَّمَ عَنْ وَجْهِهِ رقم حدیث 243

2۔ بَابُ لُبْسِ البَيْضَةِ رقم حدیث 2911

3۔ بَابُ دَوَاءِ الجُرْحِ بِإِحْرَاقِ الحَصِيرِ، وَغَسْلِ المَرْأَةِ عَنْ أَبِيهَا الدَّمَ عَنْ وَجْهِهِ، وَحَمْلِ المَاءِ فِي التُّرْسِ حدیث رقم 3037

4۔ بَابُ مَا أَصَابَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الجِرَاحِ يَوْمَ أُحُدٍ رقم حدیث 4075

5۔ بَابُ: {وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ} [النور: 31]- إِلَى قَوْلِهِ {لَمْ يَظْهَرُوا عَلَى عَوْرَاتِ النِّسَاءِ} [النور: 31] رقم حدیث 5248

6۔ بَابُ حَرْقِ الحَصِيرِ لِيُسَدَّ بِهِ الدَّمُ رقم حدیث 5722

زیرِ مطالعہ روایت میں سیدۂ کائنات، مادرِ حسنین، بانوئے ھل اتی، بضعۃ الرسول سیدہ پاک بتول علیہا السلام کی عظمتِ کردار کے کئی پہلو نمایاں ہوتے ہیں جن میں چند درج ذیل ہیں:

1۔ سیدہ پاک علیہا السلام کی شجاعت و بہادری

2۔ سیدہ پاک علیہا السلام کی حکمت و دانشمندی

3۔ سیدہ پاک علیہا السلام کا بروقت فیصلہ کرنے کی قوت و صلاحیت

4۔ سیدہ پاک علیہا السلام کا صبر و حوصلہ اور عزم و استقامت

5۔ سیدہ پاک علیہا السلام کی محبت و خدمتِ والدین

6۔ سیدہ پاک علیہا السلام کی عصمت و حیا و پردہ داری

7۔ سیدہ پاک علیہا السلام کی مضبوط قوتِ ارادی

8۔ سیدہ پاک علیہا السلام کا قوی قوتِ مشاہدہ

9۔ سیدہ پاک علیہا السلام اپنے شوہر کی مددگار اور ساتھی

10۔ سیدہ پاک علیہا السلام کی جہاد میں عملی شرکت

غزوۂ اُحد تاریخ اسلام میں وہ جنگ ہے جس میں اسلامی لشکر کفار کے اچانک اور غیر متوقع حملہ کی وجہ سے منتشر ہو گیا اور آقا کریم ﷺ زخمی ہونے کے بعد جبلِ اُحد کے ایک خاص مقام پر تشریف لے گئے۔ جب کئی مخلص مسلمان بھی واپس مدینہ جا چکے تھے اور رسول اللہ ﷺ کے ارد گرد صرف چند جاں نثار ہی باقی رہ گئے تھے۔ ان حالات میں سیدہ پاک علیہا السلام کا مدینہ سے چل کر میدانِ اُحد پہنچنا اور لاشوں کے درمیان سے گزر کر جبلِ اُحد کے اُس مقام کو تلاش کر لینا جہاں رسول اللہ ﷺ موجود تھے مادرِ حسنین علیہا السلام کی ہمت، جرأت، بہادری اور شجاعت کو واضح کر دیتا ہے۔

مولا علی پاک علیہ السلام کا ڈھال کو پانی بھرنے کے لیے استعمال کرنا حکمتِ مولا پاک کا آئینہ دار ہے۔ دستیاب وسائل سے مشکلات کا حل نکالنا اور اُن کا بہترین استعمال اس بات سے نہایت نمایاں ہے۔ وہ ڈھال جو کبھی دشمنوں کے وار روکنے کے کام آتی ہے۔ ضرورت پڑنے پر اُسی سے پانی بھی بھرا جا سکتا ہے۔ روایت میں یہ واضح نہیں ہے کہ مولا علی علیہ السلام پانی لا کہاں سے رہے تھے، وہ کوئی چشمہ تھا، کوئی مشکیزہ تھا یا پھر "لافتی الا علی" کا زورِ کرامت تھا؟؟ بہر حال مولا علی علیہ السلام اپنی ڈھال میں پانی لا رہے تھے۔

عموماً اپنے پیاروں کو تکلیف میں دیکھ کر بڑے بڑے بہادروں اور سورماؤں کی ہمت بھی جواب دے جاتی ہے اور وہ شدتِ جذبات میں صحیح فیصلہ نہیں کر پاتے۔

بقیہ صفحہ نمبر 27 پر

اسلام کا نظامِ صلوٰۃ

غزالی دوراں علامہ سید احمد سعید کاظمی علیہ الرحمہ

صلوٰۃ اسلام کے بنیادی ارکان میں ایک اہم ترین رکن ہے۔ اس کے نتائج کیا ہیں؟ یہ سوال تاریخ سے پوچھیے تو وہ جواب دے گی کہ یہ صلوٰۃ ہی تھی جس نے ریگزارِ عرب کے چرواہوں کو دنیا کا پاسبان بنا دیا تھا۔ صلوٰۃ ہی نے ان تہی دامن اور بے مایہ انسانوں کو یہ جرأت عطا کر دی تھی کہ انہوں نے قیصر و کسریٰ کے ایوانوں میں زلزلے بپا کر دیے اور زمین کا بہت بڑا حصہ ان کے جلال و جبروت کی نمود کا مظہر بن گیا:

فقیراں تا بمسجد صف کشیدند
گریباں شہنشاہاں دریدند
چو آں آتش درونِ سینہ افسرد
مسلماناں بدرگاہاں خزیدند

دیکھنا یہ ہے کہ صلوٰۃ کے لفظ میں وہ کون سا اعجاز پنہاں ہے جس نے تاریخ انسانیت میں حسین ترین انقلاب کے باب کا اضافہ کر دیا۔

صلوٰۃ کا لغوی مفہوم

صلوٰۃ اور اس کے تمام تر مشتقات کا تعلق ص۔ ل۔ و کے مادہ سے ہے۔ "صلو" کے معانی ہیں "پیچھے چلنا" مکمل اور دوسرے نمبر پر جانے والے گھوڑے کو "اَلْمُصَلِّیْ" کہا جاتا ہے، گویا پیچھے چلنے کو "صلوٰۃ" کہا جاتا ہے۔ تاج العروس میں حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کے یہ الفاظ نقل کیے گئے ہیں:

سَبَقَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ وَصَلّٰى اَبُوْبَكْرٍ

"رسولِ خدا ﷺ پہلے تشریف لے گئے اور آپ کے پیچھے پیچھے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی چلے گئے۔"

امام قرطبی نے قرآن حکیم کی تفسیر میں لکھا ہے کہ صلوٰۃ کے معنیٰ ہیں خدا کے احکام سے وابستگی اور کتابِ خداوندی کی مکمل اطاعت، زندگی کے تمام گوشوں میں خدائے قدوس کی فرماں پذیری ہی اصل صلوٰۃ ہے۔ صرف انسان کو ہی اختیار و ارادہ کی صلاحیتوں سے نوازا گیا ہے۔ اس کے سوا کائنات کی ہر چیز مجبورِ محض ہے:

ذرہ ذرہ دہر کا زندانیٔ تقدیر ہے
پردۂ مجبوری و بیچارگیٔ تدبیر ہے
آسماں مجبور ہے شمس و قمر مجبور ہیں
انجم سیماب پا رفتار پر مجبور ہیں

کتاب اللہ میں اسی حقیقت کا اظہار کرتے ہوئے یہ بلیغ الفاظ استعمال کیے گئے ہیں:

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ ۭ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ

(النور۔ ۴)

"کیا تم نے نہ دیکھا کہ اللہ کی تسبیح کرتے ہیں جو کوئی آسمانوں اور زمینوں میں ہیں اور پرندے پر پھیلائے، سب نے جان رکھی ہے اپنی نماز اور اپنی تسبیح"۔

اس آیت کریمہ میں صلوٰۃ کا لفظ مکمل سپردگی کے لیے استعمال ہوا ہے۔

صلوٰۃ کا اصطلاحی مفہوم

قرآن حکیم میں اقامت صلوٰۃ سے مراد وہ نماز ہے، جسے ادا کرنا ہر عاقل بالغ مسلمان پر فرض ہے اور فرض بھی اس قسم کا کہ اسے کسی حال میں بھی ملتوی نہیں کیا جا سکتا۔ نماز پڑھنے کا انداز جنابِ رسالت مآب ﷺ نے سکھا دیا۔

فرضیت صلوٰۃ

خدائے لم یزل ولا یزال کے ارشادات کے مطابق صلوٰۃ اتنا اہم فریضہ ہے کہ اسے میدانِ جنگ میں بھی ملتوی نہیں کیا گیا۔ اس حال میں بھی حکم ہے کہ مسلمان فوج دو حصوں میں بٹ جائے۔ ایک گروہ میدان سنبھالے اور دوسرا گروہ نماز ادا کرے۔ جب وہ فارغ ہو جائے تو میدانِ جنگ میں آ جائے اور جو گروہ میدانِ جنگ میں تھا وہ جا کر نماز ادا کرے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ وَلْيَاْخُذُوْٓا اَسْلِحَتَهُمْ قف فَاِذَا سَجَدُوْا فَلْيَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَآئِكُمْ ص وَلْتَاْتِ طَآئِفَةٌ اُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوْا فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ وَلْيَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ وَاَسْلِحَتَهُمْ

(النساء۔ ۱۰۲)

"اور اے محبوب! جب تم ان میں تشریف فرما ہو پھر نماز میں ان کی امامت کرو تو چاہیے کہ ان میں ایک جماعت تمہارے ساتھ ہو اور وہ اپنے ہتھیار لیے رہے پھر جب وہ سجدہ کر لیں تو ہٹ کر تم سے پیچھے ہو جائیں اور اب دوسری جماعت آئے جو اس وقت تک نماز

میں شریک نہ تھی اب وہ تمہارے مقتدی ہوں اور چاہیے کہ اپنی پناہ اور اپنے ہتھیار لیے رہیں"۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نماز ایسا فریضہ ہے جو تلواروں کی چھاؤں اور رزم و پیکار کے ہنگاموں میں بھی معاف نہیں ہوتا۔

وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَلَا تَکُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ ○ (الروم۔۳۱)

"اور نماز قائم رکھو اور مشرکوں سے نہ ہو"۔

اس آیۂ مبارکہ سے یہ وضاحت ہوتی ہے کہ قیام صلوٰۃ، توحید کی نمایاں ترین علامت ہے اور نماز سے گریز شرک ہے۔ اقامتِ صلوٰۃ سے متعلق قرآن حکیم میں سینکڑوں مقامات پر تاکیدی احکام بیان ہوئے ہیں۔ اگر ان کا استقصاء کیا جائے تو یہ کلام بہت طویل ہو جائے گا۔ صرف چند آیات مبارکہ درج کی جاتی ہیں:

قُلْ لِّعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَیُنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰھُمْ سِرًّا وَّعَلَانِیَۃً مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ یَوْمٌ لَّا بَیْعٌ فِیْہِ وَلَا خِلٰلٌ ○ (سورئہ ابراھیم۔۳۱)

"میرے ان بندوں سے فرماؤ جو ایمان لائے کہ نماز قائم رکھیں اور ہمارے دیے ہوئے میں سے کچھ ہماری راہ میں چھپے اور ظاہر خرچ کریں۔ اس دِن کے آنے سے پہلے جس میں نہ سوداگری ہوگی نہ یارانہ"۔

وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَارْکَعُوْا مَعَ الرّٰکِعِیْنَ ○ (البقرہ:۴۳)

"اور نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ دو اور رکوع کرو رکوع کرنے والوں کے ساتھ"۔

اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ ط وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِکُمْ مِّنْ خَیْرٍ تَجِدُوْہُ عِنْدَ اللّٰہِ ط اِنَّ اللّٰہَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ○ (البقرہ:۱۱۰)

"اور نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ دو اور اپنی جانوں کے لیے جو بھلائی آگے بھیجو گے اسے اللہ کے یہاں پاؤ گے۔ بیشک اللہ تمہارے سب کام خوب دیکھ رہا ہے"۔

نماز کی دنیوی واخروی برکات

حضور سرورِ کائنات ﷺ نے بھی نماز کی بہت تاکید فرمائی ہے۔ صحیحین میں ہے کہ آپ سے سوال کیا گیا:

"اَیُّ الْاَعْمَالِ اَحَبُّ اِلَی اللّٰہِ"

"اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ عمل کون سا ہے"؟

آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا:

"اَلصَّلٰوۃُ عَلٰی وَقْتِھَا"

"اپنے وقت پر نماز ادا کرنا"

مسلم شریف کی ایک روایت میں ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

بَیْنَ الْعَبْدِ وَبَیْنَ الْکُفْرِ تَرْکُ الصَّلٰوۃِ

"بندۂ مسلم اور کافر کے درمیان نماز چھوڑ دینے کا فرق ہے"۔

یعنی ترکِ صلوٰۃ کفر کی علامت ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لَیْسَ بَیْنَ الْعَبْدِ وَالشِّرْکِ اِلَّا تَرْکُ الصَّلٰوۃِ وَاِذَا تَرَکَھَا فَقَدْ اَشْرَکَ (ابن ماجہ)

"بندۂ مسلم اور مشرک میں صرف ترکِ صلوٰۃ کا فرق ہے۔ پس جب اس نے نماز چھوڑ دی تو شرک کیا"۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

نماز دین کے لیے ستون کا درجہ رکھتی ہے اور اس کی ادائیگی سے دس برکات حاصل ہوتی ہیں:

۱۔ دنیا اور آخرت میں چہرہ منور رہتا ہے۔
۲۔ قلبی و روحانی مسرت حاصل ہوتی ہے۔
۳۔ قبر منور ہو جاتی ہے۔
۴۔ میزان عمل میں نیکیوں کا پلڑا بھاری ہوتا ہے۔
۵۔ جسم امراض سے محفوظ رہتا ہے۔
۶۔ دل میں سوز و گداز پیدا ہوتا ہے۔
۷۔ بہشت میں حور و قصور ملتے ہیں۔
۸۔ دوزخ کی آگ اور روزِ محشر کی تمازتِ آفتاب سے نجات مل جاتی ہے۔
۹۔ خدائے قدوس کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے۔
۱۰۔ جنت میں خدا کے دیدار کی سعادت حاصل ہو جاتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ایک روز حضور ﷺ نے نماز کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ:

"جو شخص نماز کی حفاظت کرے گا تو یہ اس کے لیے قیامت میں روشنی اور برہان بنے گی اور جو نماز کی محافظت نہیں کرے گا تو اس کے لئے روشنی، نجات اور برہان نہیں ہو گی اور وہ قیامت کے روز قارون، فرعون، ہامان اور ابی ابن خلف کی معیت میں ہوگا"۔

(مشکوٰۃ بحوالہ مسند احمد، دارمی، بیہقی)

حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا، نماز پڑھنے والے کے لیے تین سعادتیں مخصوص ہیں: اول یہ کہ اس کے پاؤں کے ناخنوں سے لے کر سر کی مانگ تک آسمان سے رحمتوں اور برکتوں کا نزول ہوتا رہتا ہے۔ دوسرے یہ کہ اس کے قدموں سے لے کر فضائے آسمانی تک فرشتے اس کی محافظت کرتے رہتے ہیں۔ تیسرے یہ کہ ایک فرشتہ آواز دیتا ہے کہ اگر اسے خدا کے ساتھ اپنا معاملہ معلوم ہو تو یہ نماز میں اس قدر مستغرق ہو جائے کہ پھر اسے چھوڑ کر کسی اور جانب متوجہ ہی نہ ہو۔

حقیقت یہ ہے کہ نماز کی استواری سے ہی دین اور دنیا بدل سکتی ہے۔ جناب سرورِ عالم ﷺ نے جب دعوتِ حق و صداقت کا آغاز کیا اور آپ کا ساتھ دینے کے لیے چند پرستارانِ حق آگے بڑھے تو صورتِ حال یہ تھی کہ یہ لوگ ہر طرف سے اعدائے اسلام کے نرغہ میں محصور تھے۔ صرف مکہ ہی نہیں پورا عرب ان کے خون کا پیاسا تھا۔ ان کا کوئی مددگار نہیں تھا۔ ہر طرف مایوسی کی تاریکیاں مسلط تھیں۔ ان لوگوں کی لاچاری و درماندگی انتہا کو پہنچی ہوئی تھی۔ اس وقت ربّ ذوالجلال نے انہیں ان کے مرض کسمپرسی کا جو علاج بتایا وہ کیا تھا؟ یہی کہ "اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ" (نماز قائم کرو) "وَاسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ" (نماز اور ثابت قدمی کے ذریعے خدا کی مدد طلب کرو) اور جب ان تقدس مآب انسانوں نے حکیم مطلق کے اس نسخہ پر عمل کیا تو اس کے نتائج یہی تھے کہ وہ دنیا پر

چھا گئے۔

طبّی نقطہ نظر سے غور کیجئے تو بھی نماز کے بہت سے فوائد ہیں جو شخص بھی نماز ادا کرے، اسے نماز کی خاطر پاک و صاف رہنا پڑتا ہے۔ پانچوں وقت وضو کرتا ہے، لباس صاف رکھتا ہے، غلاظت کی چھینٹ تک سے بچتا ہے۔ جب خود صاف رہتا ہے تو اسے گھر، سامان، برتن غرضیکہ سب کچھ صاف رکھنا پڑتا ہے۔ اس طرح یقیناً اس کی صحت اچھی رہتی ہے۔

پانچ وقت کی مجلس عمومی

نظام صلوٰۃ کا ایک اور بڑا ثمرہ یہ ہے کہ اس سے ایک مخصوص علاقہ کے مسلمان روزانہ پانچ وقت ایک جگہ پر جمع ہوتے ہیں۔ یہ پانچ وقتہ اجتماعات انہیں ایک دوسرے کے احوال و کوائف سے آگاہ رکھتے ہیں۔ کوئی حاضر نہیں ہوتا تو اس کی عدم حاضری کے اسباب معلوم کر کے سب مل جل کر ان اسباب کا تدارک کرتے ہیں۔ اسی طرح جمعہ، ایک قسم کا ہفتہ وار اجتماع ہے جس میں اس سے بڑے رقبہ کے مسلمان جمع ہوتے ہیں۔ عیدین، سالانہ اجتماعات ہیں۔ اس طرح مسلمان ایک دوسرے سے بے خبر نہیں رہ سکتے۔ اس کے علاوہ اگر کوئی ہنگامی ضرورت پیش آئے تو آنحضرت اور خلفائے راشدین کے دور میں یہ طریقہ تھا کہ منادی کرا دی جاتی تھی اَلصَّلٰوۃُ جَامِعَۃٌ (نماز جمع کرنے والی ہے) سب لوگ مسجد میں جمع ہو جاتے۔ ہنگامی صورتِ حال سے انہیں آگاہ کیا جاتا اور لوگ اپنے مشورے بیان کرتے۔ گویا نظام صلوٰۃ مسلمانوں کے مذہبی، اجتماعی اور سیاسی مسائل کے حل کا ذریعہ ہے۔

باہمی الفت و محبت

دن میں پانچ وقت جب ایک محلہ کے مسلمان ایک جگہ جمع ہو جاتے ہیں تو ان کی بیگانگی دور ہو جاتی ہے اور وقفہ وقفہ کے اس میل ملاپ سے باہمی محبت و مودّت کو فروغ حاصل ہوتا ہے اور وہ ایک دوسرے سے تعاون اور ہمدردی کے لیے ہر وقت تیار رہتے ہیں۔ قرآن حکیم نے نظام صلوٰۃ کے اس نتیجہ خاص کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

وَا تَّقُوْهُ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ لا مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا

(روم: ۳۱۔۳۲)

ترجمہ: اور اس سے ڈرو اور نماز قائم رکھو اور مشرکوں سے نہ ہو، ان میں سے جنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور ہو گئے گروہ گروہ"۔

ہمدردی و غمخواری

نماز مسلمانوں میں صحیح ہمدردی اور سچی غمخواری کے جذبات پیدا کرنے کا ذریعہ بھی بنتی ہے۔ جب مفلس و دولت مند روزانہ پانچ مرتبہ ایک جگہ جمع ہوں اور صاحب سرمایہ اپنی آنکھوں سے اپنے غریب بھائیوں کی حالت زار دیکھیں تو لازماً ان کے دلوں میں غمخواری کو تحریک ہو گی اور وہ اپنی فیاضی سے کام لے کر غریبوں کی حالت میں تبدیلی کا باعث بنیں گے۔ حضور کے دور میں اصحاب صفہ کا گروہ سب سے زیادہ ہمدردی کا مستحق تھا۔ وہ لوگ مسجد میں رہتے تھے۔ مسلمان نماز کے لیے جاتے تو انہیں دیکھ کر ہمدردی پیدا ہوتی اور وہ کھجوروں کے خوشے لے جا کر مسجد میں لٹکا دیتے تھے اور انہیں اپنے گھروں میں لے جا کر کھانا کھلاتے۔

جنگ کی تربیت

اعلائے کلمۃ اللہ اور باطل کی بیخ کنی کے لیے جنگ کرنا مسلمان کا بنیادی فریضہ ہے اور اسے چاہیے کہ وہ ہر وقت جہاد کی تیاری میں مصروف رہے۔ ایک روایت میں ہے کہ حضور نے فرمایا مسلمان وہ ہے کہ جب جہاد ہو رہا ہو تو وہ اس میں شریک ہو اور جب جہاد نہ ہو رہا ہو تو اس کی تیاری میں مصروف رہے۔ نظام صلوٰۃ اس مقصد کے حصول کی تربیت کا ایک ذریعہ بھی ہے۔ اطاعت امام، باہمی محبت و دستگیری اور صف بندی پھر امام کے اشاروں پر تمام صفوں کی ہم آہنگانہ نقل و حرکت یہ سب چیزیں مسلمانوں کو تربیتِ حرب دیتی ہیں۔ کپکپاتے جاڑوں میں سردی کی پرواہ نہ کرتے ہوئے پانچ وقت وضو کرنا، چلچلاتی دھوپ اور شعلے برساتی ہوئی لو میں ظہر کے وقت اپنے گھروں سے نکل کر مسجد میں پہنچنا۔ اسی طرح خواب سحر کی کیف آگینیوں کو تج دینا، یہ ساری باتیں مسلمانوں کے تمام قوائے عمل کو بیدار کر کے ان میں مقصد کی لگن کے لیے جفاکشی سکھاتی ہے اور مسلمان سپاہیانہ خصائص کے خوگر بنتے ہیں۔

پختگی کردار

زندگی کے ہر میدان میں وہی لوگ کامیاب ہوتے ہیں جن کے کردار میں اولوا العزمی، استقلال اور ثبات کے اوصاف پائے جائیں۔ نماز ہی ایک ایسا فریضہ ہے جو انسان کی سیرت کو ان صفات سے مالا مال کر دیتا ہے کیونکہ یہ چیزیں مداومت اور مواظبت سے پیدا ہوتی ہیں اور نماز اس کا عظیم مظہر ہے۔ اسی لیے شنگ نے صحابہ ث کی صفات بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے

اَلَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ۔

"جو اپنی نماز کے پابند ہیں"۔

(المعارج: ۲۳)

پابندی وقت

وقت کی پابندی کی افادیت سے انکار کرنا آفتابِ درخشاں کو سیاہ گیند کہنا ہے۔ کیوں کہ عملی زندگی میں انسان کی کامیابی کا سب سے بڑا راز اسی حقیقت میں مضمر ہے کہ وہ ہر کام وقت مقررہ پر ادا کرے۔ پابندیٔ وقت سے غافل خرگوش کچھوؤں کی سست رفتاری سے شکست کھا جاتے ہیں۔

رفتم کہ خار از پا کشم، محمل نہاں شد از نظر
یک لحظہ غافل گشتم و صد سالہ راہم دور شد

اس سلسلہ میں نماز کا قیام بڑا اہم کردار ادا کرتا ہے۔ نماز کے اوقات معین ہیں اور پھر اسے وقت پر پڑھنے کی تاکید اس قدر کی گئی ہے کہ کسی حال میں بھی اسے دوسرے وقت کے لیے ملتوی نہیں کیا جا سکتا۔ حتیٰ کہ میدانِ جنگ میں بھی اس کے وقت کو مؤخر کرنے کی اجازت نہیں۔ اگر کوئی شخص حالتِ خوف میں بھاگا جا رہا ہے، نماز کا وقت ہو جاتا ہے تو چاہے وہ بھاگتے ہوئے اشاروں سے نماز ادا کرے تو بھی ضرور ایسا کرے۔ اسی طرح قریب الموت اور ڈوبتے ہوئے آدمی پر بھی وقت پر نماز جس طریق سے ممکن ہو، ادا کرنا ضروری ہے۔ ظاہر ہے کہ جو شخص اس قدر وقت کا پابند ہو گا، وہ زندگی کے ہر مرحلہ میں کامیاب رہے گا۔

سحر خیزی

سحر خیزی کو طبّی نقطہ نظر اور حفظانِ صحت کے اصولوں کے مطابق بہت بڑی اہمیّت حاصل ہے۔ وہ انسان جو صبح سویرے اٹھتا ہے اور صبح کی پاکیزہ ہوا میں سانس لیتا ہے، دن کو بھی اس کی طبیعت چاق و چوبند رہتی ہے۔ سستی اور کاہلی اس کے قریب بھی نہیں پھٹکتی اور یہ نعمت بھی پابند صلوٰۃ مسلمانوں کو حاصل ہوتی ہے۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

زمستانی ہوا میں گرچہ تھی شمشیر کی تیزی
نہ چھوٹے مجھ سے لندن میں بھی آدابِ سحر خیزی

نماز کے آداب وشرائط

نماز کی ادائیگی کے لیے آداب وشرائط بھی ہیں۔ حضرت شیخ مخدوم علی ہجویری المعروف داتا گنج بخش علیہ الرحمۃ نے ان شرائط کا درج ذیل انداز میں ذکر فرمایا ہے:

''نماز کی شرائط میں سے پہلی شرط جسم کی طہارت ہے، ظاہر میں نجاست سے اور باطن میں خواہشاتِ نفسانی سے۔ دوسری شرط لباس کی طہارت ہے، ظاہر میں نجاست و غلاظت سے اور باطن میں مال حرام سے۔ تیسری شرط مکان کی طہارت، ظاہر میں نجاست اور گندگی سے اور باطن میں فساد اور گناہ سے۔ چوتھی شرط قبلہ کی طرف رُخ کرنا اور ظاہر میں قبلہ وکعبہ شریف ہے اور باطن میں عرشِ معلّٰے۔ پانچویں شرط قیام ہے، ظاہر میں طاقت کی حالت میں اور باطن میں قربِ حق۔ قیام باطن کی شرط یہ ہے کہ حقیقت کے درجہ میں اس کا وقت ہمیشہ ہے۔ چھٹی شرط حق تعالیٰ کی طرف توجہ کر کے خالص اسی کے لئے نیّت کرنا ہے۔ ساتویں شرط یہ ہے کہ انسان کے دل میں ہیبت الٰہی ہو۔ وہ تکبیر پڑھے، نہایت ترتیل سے قرأت کرے، گڑگڑا کر رکوع وسجود کرے اور دلجمعی سے تشہد پڑھے''۔ (کشف المحجوب)

اب ذرا تفصیل سے آداب وشرائط کا تذکرہ کیا جاتا ہے:

اقامت صلوٰۃ

نماز پڑھنے کے لیے قرآن حکیم میں اقامتِ صلوٰۃ کا لفظ آیا ہے جس کے معنٰی ہیں پورے آداب و ارکان وسنن کے ساتھ نماز ادا کی جائے۔ چنانچہ حالتِ خوف میں جہاں آداب و ارکان کو وقتی طور پر چھوڑ دینے کی اجازت عطا ہوئی وہاں ساتھ ہی یہ ارشاد فرمایا:

فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ
(النساء:۱۰۳)

''پھر جب مطمئن ہو جاؤ تو حسبِ دستور نماز قائم کرو''۔

یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ قیام صلوٰۃ کا مفہوم اطمینان سے تمام آداب وارکان وشرائط کے ساتھ نماز ادا کرنا ہے۔

قنوت

یہ ایک جامع لفظ ہے جس کے معنی لغت میں حسب ذیل ہیں۔ چپ رہنا، بندگی کرنا، دعا مانگنا، ادب سے کھڑے رہنا، دیر تک کھڑے رہنا، عاجزی کرنا۔ (لسان العرب)

قرآن حکیم میں ہے:

"وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ"
(البقرہ:۲۳۸)

''اور کھڑے ہو اللہ کے حضور ادب سے''۔

صحابہ کہتے ہیں کہ پہلے ہم لوگ نماز میں کوئی نہ کوئی بات کر لیا کرتے تھے۔ جب یہ آیۂ کریمہ اتری تو حضور ﷺ نے ہمیں ممانعت فرما دی کیوں کہ ایسا کرنا تو آدابِ نماز کے خلاف تھا۔

خضوع وخشوع

خشوع کے لغوی معنٰی ہیں، بدن کو جھکانا، آواز پست کرنا، آنکھیں نیچی رکھنا یعنی ہر ادا سے عاجزی اور مسکنت کا اظہار کرنا۔ (لسان العرب)

خضوع وخشوع، آدابِ نماز میں سے بہت بڑا رکن ہے۔ صحیح مومنوں کی صفات بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اَلَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ
(المومنون:۲)

''جو اپنی نماز میں گڑگڑاتے ہیں''۔

کیونکہ نماز خالق کائنات کے حضور میں اپنی بے چارگی، عاجزی اور بے بسی کے اظہار کا نام ہے۔ اگر خشوع نہ ہو تو نماز کا مقصد اصلی حاصل نہیں ہوتا۔

تبتل

تبتل کے اصل معنٰی کٹ جانے کے ہیں۔ قرآن کی اصطلاح میں تمام علائق حیات سے کٹ کر صرف خدا کا ہو جانا تبتل ہے۔ سورۂ مزمل میں قیام لیل کا حکم دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَ تَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا ۝
(المزمل:۸)

''اور اپنے رب کا نام یاد کرو اور سب سے ٹوٹ کر اسی کے ہو رہو''۔

یعنی نماز کے وقت خدا کی عظمت و جلالت اور اپنی عاجزی و بے چارگی کے سوا تمام خیالات سے ذہن کو منقطع کر لیا جائے۔

ایک حدیث میں حضور ﷺ نے ایک طرح سے اسی آیت کی تفسیر فرما دی ہے۔ حضرت عمر بن سلمٰی سے روایت ہے کہ مجھے آنحضرت ﷺ نے نماز سکھائی اور فرمایا ''جب کوئی باوضو ہو کر نماز کے لیے کھڑا ہوا، پھر خدا کی حمد وثناء کی پھر خدا کی بزرگی کا اظہار کیا جو اسے زیب دیتی ہے اور اپنے دل کو خدا کے لیے ہر چیز سے فارغ کیا (فرغ قلبہ) تو وہ نماز کے بعد ایسے ہو جاتا ہے جیسے اسی وقت اس نے ماں کے پیٹ سے جنم لیا''۔ (صحیح مسلم جلد اوّل)

تضرع

لغت میں تضرع کے معنٰی انتہائی عاجزی، مسکنت اور زاری سے سوال کرنے کے ہیں۔

(لسان العرب)

غلام جب اپنے آقا کے حضور دست سوال دراز کر رہا ہو تو اس پر عجز والحاح کی صحیح کیفیات طاری ہونی چاہئیں۔ اگر ایسا نہیں تو دینے والا جو علام الغیوب ہے اور جس سے دل کی خفیف سے خفیف کیفیت بھی نہیں چھپائی جا سکتی، وہ درخواست کیسے قبول فرمائے گا۔

ارشادِ باری ہے:

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّ خِيْفَةً۔
(الاعراف:۲۰۵)

''اور اپنے ربّ کو اپنے دل میں یاد کرو زاری اور ڈر سے''۔

اخلاص

نماز کے آداب کی اصل بنیاد اخلاص اور حضور قلب ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ۔ (طٰہٰ:۱۴)

''اور میری یاد کے لئے نماز قائم رکھ''۔

اور یاد صرف زبان سے الفاظ ادا کرنے کا نام نہیں بلکہ پورے خلوص سے دل کی معیّت کا نام ہے۔ اگر یہ حاصل نہیں تو نماز محض ریا شمار ہوگی۔ جسے بعض اہل صداقت نے شرک جیسی لعنت میں شمار کیا ہے۔

وَاَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ

''اور اپنے منہ سیدھے کرو ہر نماز کے وقت اور اس کی عبادت کرو نرے اس کے بندے ہو کر''۔ (الاعراف:۲۹)

پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمی اصلاحات

پروفیسر محمد اکرم ورک

تعلیم اور نصاب کا تعلق صرف استاذ، شاگرد اور درس گاہ سے نہیں بلکہ اس کا براہ راست تعلق اس زندگی سے ہے جو ہر لمحہ رواں دواں اور تغیر پذیر ہے اس لیے بہترین نصاب وہی ہوسکتا ہے، جو ایسے علوم وفنون پر مشتمل ہو جو انسانی زندگی کے انفرادی اور اجتماعی تقاضوں سے ہم آہنگ ہوں نیز انسانی فکر کے تاریخی ارتقا کے عکاس ہوں اور جن کے پیشِ نظر ایسے رجال کار کی تیاری ہو، جو سوسائٹی کے انفرادی اور اجتماعی رویوں کی مثبت تشکیل ممکن بنا سکیں۔

مسلم تاریخ میں نصاب تعلیم کا ارتقاء

اسلامی تاریخ کا سرسری مطالعہ بھی اس بات کی ثبوت کے لیے کافی ہے کہ نبوت کے مکی اور مدنی ادوار میں نظام تعلیم اور نصاب میں معروضی حالات کے پیش نظر بقدر ضرورت تبدیلیاں ہوتی رہی ہیں۔ دار ارقم اور شعب ابی طالب میں تعلیم کا نصاب اور نظام اس سے بہر حال مختلف تھا جس کی تعلیم مسجد نبویؐ کی درس گاہ (صفہ) میں دی جاتی تھی۔ صفہ میں حالات کے تقاضوں اور ضرورتوں کے پیش نظر قرآن وسنت کی لازمی تعلیم کے ساتھ ساتھ خطاطی، طب، تیر اندازی، تلوار زنی، اور نیزہ بازی کے فنون بھی سکھائے جاتے تھے۔ مرورِ ایام کے ساتھ قرآن وسنت جیسے بنیادی اور لازمی مضامین کی اہمیت وافادیت میں روز افزوں اضافہ ہوتا رہا۔ ان کے علاوہ دیگر علوم وفنون ارتقاء اور تبدیلیوں کے مختلف مراحل طے کرتے رہے۔ ان میں سے بعض مضامین اگر حالات کے تقاضوں کے پیش نظر داخل نصاب ہوئے تو بعض دیگر کو ضرورت پوری ہونے پر نصاب سے خارج بھی کر دیا گیا۔

ہلاکو خان کے حملہ بغداد ۱۲۵۸ء تک مسلم فکر میں زبردست ارتقاء نظر آتا ہے۔ بغداد کی تباہی سے نہ صرف مسلمانوں کی صدیوں کی علمی ترقی اور ذہنی ریاضت دریا برد ہوگئی بلکہ کئی نامور علما بھی تاتاری تلوار کی نذر ہوگئے۔ اور پھر ۱۴۹۲ء میں سقوط غرناطہ کے بعد مسلم فکر کے تقریبا تمام علمی سرچشمے خشک ہوگئے۔ اور علمی روایت مکمل طور پر مغرب کی طرف منتقل ہوگئی۔ اگرچہ ان دو بڑے حادثات کے بعد بھی مسلمانوں کو سیاسی عروج حاصل رہا ہے۔ لیکن فکری اور علمی اعتبار سے یہی مسلمانوں کا دور انحطاط ہے۔ درس نظامی کے روایتی نصاب پر ایک نظر ڈالنے سے ہی یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ اس نصاب میں شامل اکثر کتب اور علوم وفنون اسی دور زوال کی یادگار ہیں۔ جب مسلمانوں کا علمی انحطاط شروع ہو چکا تھا اور مسلم فکر پر جمود کے سائے پڑنا شروع ہو گئے تھے۔

نئے علوم وفنون اور موضوعات پر غور وفکر کی بجائے ایسی کتابیں منصۂ شہود پر آنے لگیں۔ جن میں اختصار نویسی، لفظی بحثوں اور لفظی موشگافیوں کو ہی کمال فن سمجھا جانے لگا۔ بڑا کمال یہی سمجھا گیا کہ عبارت ایسی دقیق اور غامض ہو جس کے لئے شرح وحاشیہ کی ضرورت ہو، لطیفہ یہ ہے کہ بعض اصحاب علم نے ذہنی عیاشی کی خاطر انتہائی مختصر کتب تصنیف کیں۔ اور پھر خود ہی ان پر طویل حواشی لکھنے بیٹھ گئے اور اب ہمارے مدرسین اپنی عمر عزیز کا زیادہ حصہ انہی دقیق عبارتوں کے سمجھنے اور سمجھانے میں گزار دیتے ہیں۔ مصنف کی مراد، ضمائر کے امکانی مراجع اور عبارت کی اعرابی حالتوں کے ایسے خیالی پلاؤ پکائے جاتے ہیں کہ بسا اوقات ایسی بحثوں میں کئی کئی ہفتے گزر جاتے ہیں اور نتیجہ پھر بھی غیر حتمی ہی رہتا ہے۔ گویا فن میں مہارت کے بجائے کتاب کی تفہیم حقیقی مقصد بن کر رہ گئی ہے۔

برصغیر میں مدارس کا نصاب تعلیم

برصغیر میں انگریزی عہد اقتدار سے قبل مدارس میں جن علوم وفنون کی تعلیم دی جاتی تھی ان کی افادیت محدود ہو چکی تھی، تاہم اس وقت جو نظام تعلیم اور نصاب رائج تھا اس میں دینی اور دینوی کی کوئی تفریق نہ تھی۔ اور یہ نصاب مسلم دور کی ضرورتوں اور تقاضوں کو کسی نہ کسی حد تک پورا کر رہا تھا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ مغلیہ دور میں جس نظام تعلیم اور نصاب نے مجدد الف ثانی جیسا مذہبی عبقری پیدا کیا اسی نظام نے نواب سعد اللہ خان جیسا شخص بھی تیار کیا۔ جو سلطنت مغلیہ کا وزیر اعظم بنا اور جو حضرت مجددؒ کا ہم جماعت تھا، پھر استاذ احمد معمار جس نے تاج محل، جس کا شمار دنیا کے سات عجائبات میں ہوتا ہے، تعمیر کیا۔ یہ بھی حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کا کلاس فیلو تھا۔ یہ تینوں ایک ہی استاذ کے شاگرد اور ایک ہی درس گاہ کے پڑھے ہوئے تھے اور ایک ہی نصاب اور تعلیمی نظام کی پیداوار تھے۔

۱۸۵۷ء میں برصغیر پر انگریز کے مکمل قبضہ و اختیار کے بعد ہمارے سامنے نظام تعلیم اور نصاب کے حوالے سے دو گروہ ابھر کر سامنے آتے ہیں ایک گروہ کا تعلق روایتی دینی مدارس سے ہے۔ فی الوقت جن کی نمائندگی شیعہ اور سنی وفاق (بریلوی ،

دیوبندی، سلفی) کررہے ہیں۔دوسرے گروہ کا تعلق جدید تعلیم کے علمبرداروں سے ہے۔سرسید احمد خان کی علمی تحریک اسی گروہ کی نمائندہ تحریک ہے۔روایتی دینی مدارس کا نصاب ہو یا علی گڑھ کا، دونوں کا نصاب تعلیم دور غلامی کے مخصوص حالات، تقاضوں اور پس منظر کا عکاس ہے۔یقینی طور پر کہا جاسکتا ہے کہ ان دونوں نصاب ہائے تعلیم کی بنیاد خوف اور ذہنی تحفظات پر تھی۔ایک طبقہ اس خوف میں مبتلا تھا کہ جدید تعلیم سے احتراز مسلمانوں کے لیے انتہائی تباہ کن ہوگا۔مسلمان تجارت، اسباب معیشت، ملازمتوں اور دیگر قومی معاملات میں پیچھے رہ جائیں گے جبکہ دوسرے طبقہ کو یہ خوف دامن گیر تھا کہ انگریز جو برصغیر کو دوسرا اسپین بنانے کی حکمت عملی پر عمل پیرا ہیں، کے عزائم کو ملیامیٹ کرنے کے لیے ضروری ہے کہ وقتی فوائد سے صرف نظر کرتے ہوئے دینی علوم کی تدریس کے لیے مدارس کا ایسا نظام قائم کیا جائے جو قوم کو تہذیبی ارتداد سے بچا سکے اور جو مسلمانوں کے دین، ایمان اور اسلامی تہذیب وتمدن کے تحفظ کا ضامن ہو۔حقیقت یہ ہے کہ برصغیر میں دین وایمان کی بہاریں ہمارے اسلاف کی اسی محنت، خلوص اور حکمت عملی کا نتیجہ ہیں، تاہم یہ بات واضح ہے کہ ہر دو طبقات کی حکمت عملی دفاعی نوعیت کی تھی۔اور یہ حکمت عملی اپنے مخصوص پس منظر میں بالکل درست تھی۔

پاکستانی مدارس کا نصاب تعلیم

۱۹۴۷ء کے بعد حالات وضروریات اور تقاضے بدل گئے اس وقت دونوں (دینی ودینوی) نصاب ہائے تعلیم میں انقلابی اور اجتہادی نوعیت کی تبدیلیوں کی ضرورت تھی۔ان دونوں نظام ہائے تعلیم کو ختم کرکے جدید تقاضوں سے ہم آہنگ ایسا نصاب مرتب ہونا چاہیے تھا، جو جدید علمی اور فکری چیلنجز کا بھرپور جواب مہیا کرتا۔خاص طور پر پاکستان میں تو اس بات کی اشد ضرورت تھی کہ علماء کو سوسائٹی میں قائدانہ کردار ادا کرنے کے قابل بنایا جاتا، لیکن بدقسمتی سے ایسا نہ ہوسکا۔یہی وجہ ہے کہ ہمارے دینی مدارس سے فارغ ہونے والے علماء جب عملی میدان میں قدم رکھتے ہیں تو چونکہ وہ سوسائٹی کے عرف اور محاورے سے واقف نہیں ہوتے اس لیے عجیب طرح کی اجنبیت کا شکار ہوجاتے ہیں۔اور عملا معاشرے سے کٹ کر رہ جاتے ہیں۔بقول ڈاکٹر محمود احمد غازی:

> ”آج ہمارا امام سوسائٹی میں جاکر یہ محسوس کرتا ہے کہ میں نے جو کچھ پڑھا ہے وہ تو Irrelevant ہے اور یہاں لوگ جو سوال کررہے ہیں اس کا میرے پاس جواب نہیں تو وہ پڑھی ہوئی چیزوں کو Relevant بنانے کے لیے وہاں وہ مسائل پیدا کرتا ہے جو اس کے اپنے مسائل ہیں تاکہ وہ لوگوں کے بھی مسائل بن جائیں اور جب وہ ان کے مسائل بن جائیں گے اور وہ پوچھیں گے تو میں ان کا جواب دوں گا۔وہ مسائل کیا ہوتے ہیں؟ وہ فرقہ ورانہ ہوتے ہیں اب جن بیچاروں کو کچھ پتہ نہیں ہوتا اور نہ کبھی ان کے ذہن میں یہ خیال آیا ہوتا ہے کہ حضورؐ نور تھے یا بشر تھے، ان کے لیے امام مسئلہ پیدا دیتا ہے۔رسول اللہ کا حکم واجب التعمیل ہے یہ کوئی نہیں بتاتا، لیکن ایک اس پر زور دیتا ہے کہ آپ ﷺ بشر تھے اور دوسرا اس پر کہ آپ ﷺ نور تھے۔وہ نور کا ایک محدود مفہوم بیاں کرتا ہے یہ بشر کا محدود مفہوم بیاں کرتا ہے۔اور جب علم کی کمی کی وجہ سے لوگوں کا ایک گروہ اس کام کے لئے تیار ہوجائے گا تو اب امام صاحب کی نوکری پکی ہوجائے گی اور انہیں کوئی وہاں سے نہیں اٹھائے گا۔یہ ایک افسوس ناک بات ہے جس پر غور کرنا چاہیے“۔
>
> (ماہنامہ الشریعہ مارچ ۲۰۰۵ء:۲۶)

ایسے ہی سطحی علم رکھنے والے حضرات معاشرے میں فتنہ وفساد اور فرقہ ورانہ تشدد کا باعث بنتے ہیں۔یہ صورت حال ایسی خوف ناک اور گھمبیر ہے جس کی وجہ سے ایک طرف سلیم الفطرت لوگ مایوسی کا شکار ہورہے ہیں تو دوسری طرف عام لوگ دین سے دوری میں ہی اپنی ”عافیت“ سمجھنے لگے ہیں بقول علامہ اقبال:

کوئی کارواں سے ٹوٹا کوئی بدگماں حرم سے
کہ میر کارواں میں نہیں خوئے دل نوازی

ضرورت اس امر کی تھی کہ دور غلامی میں حالت جبر میں اختیار کردہ تعلیمی نظام پر نئے سرے سے غور وفکر کیا جاتا اور قیام پاکستان کے بعد ماہرین تعلیم کی مشاورت سے مناسب اور معقول قومی تعلیمی پالیسی تشکیل دی جاتی۔لیکن بدقسمتی سے ایسی کوئی بھی سنجیدہ کوشش بروئے کار نہیں لائی گئی۔اس وقت صورت حال یہ کہ پاکستان میں طبقاتی نظام تعلیم میں مزید پھیلاؤ آیا ہے۔

جدید تعلیمی اداروں سے جو نسل تیار ہوکر نکل رہی ہے ان کا دین سے تعلق انتہائی کمزور ہے اور دوسری طرف جو نسل روایتی دینی اداروں سے فارغ التحصیل ہورہی ہیں ان کا حالات حاضرہ، جدید معاشی، سیاسی اور عمرانی علوم سے کوئی تعارف نہیں، عالمی قانون، عرف، رسم ورواج اور مغربی فکر وفلسفہ تو ان کے لیے قطعا اجنبی چیزیں ہیں۔نصاب کی اس تقسیم کا نتیجہ یہ ہے کہ ہر نصاب کے پڑھنے والے اس نصاب کے آثار ونتائج سے قطعا بے گانہ ہیں جیسے انھوں نے نہیں پڑھا ہے۔ملک میں پڑھے لکھے طبقہ کی دو مستقل جماعتیں قائم ہوگئیں ہیں ایک طبقہ دوسرے پر فسق والحاد اور بے دینی کا الزام عائد کرتا ہے تو دوسرا اس پر تاریک خیالی اور زمانے سے ناواقفیت کی پھبتیاں کستا ہے۔مسٹر اور ملاں کے طنزیہ ناموں سے قائم ان طبقوں میں کشمکش مسلسل بڑھتی چلی جارہی ہے۔

ارباب دانش کی نظر میں نصاب تعلیم کی وحدت کے علاوہ اس مسئلہ کا کوئی حل نہیں ہے۔اس حوالے سے حکومتی اور اعلیٰ ترین سطح پر پیش قدمی کی ضرورت تھی تاہم حکومت کی مجرمانہ غفلت کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ دینی مدارس کے ارباب بست وکشاد بھی اسی عدم تدبر کا مظاہرہ کرتے، نئے حالات میں ان کی حکمت عملی دفاعی کی بجائے اقدامی ہونی چاہیے تھی، کیونکہ آزادی کے بعد عوام الناس زندگی کے ہر میدان میں ان سے قائدانہ کردار کی توقع کررہے تھے لیکن بدقسمتی سے ہماری دینی قیادت اس فہم وفراست کا مظاہرہ نہ کرسکی جس کا مظاہرہ ہمارے اسلاف ہر دور میں کرتے رہے ہیں۔

برصغیر کے علما کی فکرمندی

نصابِ تعلیم کو عصری تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کا احساس تقریباً تمام مکاتبِ فکر کے اکابرین میں شروع سے ہی رہا ہے۔اس حوالے سے، نصابِ تعلیم کی ماہیت پر مشتمل کتابوں میں تمام مکاتبِ فکر کے اسلاف کی آراء ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔طوالت سے بچتے ہوئے ہم صرف مولانا قاری محمد طیب کے ایک خطاب کے اس اقتباس پر اکتفا کرتے ہیں:

”اب رہا مدارس عربیہ کا نصاب میں تبدیلی کا قضیہ، سو مجھے اس اصول سے انکار نہیں اور نہ کسی کو ہو سکتا ہے۔جن تعلیمات کا تعلق وحی الٰہی سے ہے، ان

کی تبدیلی پر نہ ہم قادر ہیں، نہ ہمیں حق ہے۔ باقی جو فنون یا کتابیں قرآن کے خادم کی حیثیت سے زیر تعلیم آتی ہیں، وہ زمانہ اور احوال کے لحاظ سے بدل سکتی ہیں۔ قرآن ہر زمانہ میں ایک رہا لیکن اس کی تفہیمات کا انداز بدلتا رہا۔ جس دور میں مثلاً فلسفہ کا زور ہوا تو قرآن کو فلسفیانہ انداز میں سمجھایا گیا۔ جس دور میں تصوف کا زور ہوا تو قرآن کو صوفیانہ انداز میں سمجھایا گیا۔ آج سائنس کا زور ہے تو وہ سائنسی رنگ میں تجلی کرے گا۔ اس ساری حقیقت کو میں بطور خلاصہ ان الفاظ میں لاسکتا ہوں کہ ''مسائل پرانے ہوں تو دلائل نئے ہوں''۔ (۲۲، ۲۳ فروری ۱۹۴۷ء کو اسمبلی ہال لکھنو میں منعقدہ ''تعلیمی کانفرنس'' سے خطاب)

ضیاء الامت کے عملی اقدامات اور اصلاحات

ضیاء الامت پیر محمد کرم شاہ الازہری نے علماء اور جدید تعلیم یافتہ نسل کے درمیاں بڑھتے ہوئے خلا کو آج سے نصف صدی قبل محسوس کیا۔ چنانچہ آپ نے قدیم اور جدید علوم کے امتزاج سے ایک ایسے نصاب تعلیم کی ضرورت محسوس کی جو علماء کو نہ صرف قومی دھارے سے جوڑے رکھے بلکہ انہیں قائدانہ کردار ادا کرنے کے قابل بھی بنا سکے۔ چنانچہ پیر صاحب نے ۱۹۵۷ء میں اپنے والد محترم کے قائم کردہ ادارے ''دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ'' کی نشاۃ ثانیہ کا آغاز فرمایا۔ نئے نصاب کی ترتیب، تدوین، اور تنفیذ میں پیر صاحب کو جن مسائل کا سامنا کرنا پڑا وہ بڑے کٹھن اور صبر آزما تھے۔ چونکہ یہ بالکل نیا اور منفرد تجربہ تھا۔ اس لیے جب پیر صاحب نے اپنے خوابوں کو عملی جامہ پہنانے کے لئے میدان عمل میں اترے تو وہ اس منزل کے تنہا مسافر تھے۔ پیر صاحب نے اپنی ذات میں ایک پورے ادارے کی ذمہ داریاں نبھائیں۔ آپ کے مشہور سوانح نگار پروفیسر حافظ احمد بخش صاحب نے پیر صاحب کی سوانح عمری ''جمال کرم'' جلد اول میں ان تمام حالات کا تفصیلی ذکر کیا ہے۔ نئے نصاب کی ترتیب میں حضرت ضیاء الامت کے پیش نظر جو خصوصی امور تھے ان کی وضاحت کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں:

''دینی مدارس کا نصاب تعلیم ایسا ہونا چاہیے جس سے فراغت پانے کے بعد انسان میں علوم جدیدہ سے پوری واقفیت اور حالات حاضرہ پر گہری نظر ہونے کے ساتھ علوم دینیہ میں ٹھوس قابلیت پیدا ہو جائے، سطحی قسم کے علماء الحاد و فجور کے اس خوف ناک سیلاب کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ ملت کو ایسے علماء کی ہرگز ضرورت نہیں جو اسلام کی ابدی تعلیمات کو حالات حاضرہ سے ہم آہنگ کرنے کے خبط میں قطع و برید اور تبدیلی و تحریف تک آمادہ ہوں بلکہ ایسے مردان کار کی ضرورت ہے جو ایمانی فراست کو کام میں لاتے ہوئے حالات کو حلقہ بگوش اسلام کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں اور اس کے لیے علوم دینیہ میں مہارت ضروری ہے''۔

(جمال کرم ۱/ ۳۳۲)

دارالعلوم محمدیہ غوثیہ میں داخلہ کے خواہش مند طلباء کے لیے میٹرک پاس ہونا بنیادی شرط ہے۔ نو سالہ دورانیے پر مشتمل اس نصاب میں ایف۔اے اور بی۔اے کے امتحانات بالترتیب سرگودھا بورڈ اور پنجاب یونیورسٹی کے زیر انتظام دلوائے جاتے ہیں۔ جبکہ دارالعلوم کی تکمیلی سند کو حکومت نے ایم۔اے اسلامیات و عربی کے مساوی تسلیم کیا ہے۔ یہاں سے فارغ التحصیل علما کو ''شاہین'' کہا جاتا ہے۔ دارالعلوم میں دینی تعلیم میں رسوخ کو اولیت اور ترجیح حاصل ہے۔

پیر صاحب نے دینی مدارس کے روایتی نصاب میں جو انقلابی اصلاحات تجویز فرمائیں زیر نظر سطور میں ہم اس کے صرف چند اہم پہلوؤں کا اختصار کے ساتھ تعارف پیش کریں گے اور ان کوششوں کے عملی فوائد و ثمرات کا تجزیہ کریں گے۔

صرف ونحو

کسی بھی زبان کی سمجھ بوجھ کے لیے گریمر خشت اول کی حیثیت رکھتی ہے۔ گریمر کا کردار زبان کی تسہیل اور تفہیم سے ہے جبکہ مدارس کے طرز تعلیم میں علمِ صرف اور خاص طور پر علمِ نحو کو زبان کے مشکل بنانے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے کافیہ اور شرح جامی جیسی کتب جس تحقیق اور لفظی موشگافیوں کی ابحاث کے ساتھ پڑھی پڑھائی جاتی ہیں، کاش قرآن وسنت کی تعلیم میں بھی یہی شوق پیش نظر ہو۔ عموما اساتذہ کافیہ کی پہلی سطر ''الکلمۃ لفظ وضع لمعنی مفردا'' کی تقریر میں ہی کئی ہفتے گزار دیتے ہیں۔ مولانا ابوالکلام آزاد کی یہ رائے بالکل درست ہے کہ برصغیر میں صرف ونحو کی تعلیم میں طلباء پر بیک وقت تین بوجھ ڈال دیے جاتے ہیں۔

ایک اجنبی زبان (کہ صرف ونحو کی ابتدائی کتابیں زیادہ تر فارسی زبان میں ہیں)۔

دوسرا حلِ عبارت کا، طالب علم کی بیشتر توانائی مغلق و غامض عبارت کے حل پر صرف ہو جاتی ہے۔

تیسرا اگر دماغ میں کچھ گنجائش باقی رہ گئی ہے تو وہ اصل علم حاصل کرے۔

یہی وجہ ہے کہ گوہرِ مقصود ہاتھ نہیں آتا۔ ہمیں یہ چیز ذہن میں رکھنی چاہیے کہ صرف ونحو اور دیگر علوم صرف قرآنی بصیرت تک رسائی کے وسائل اور ذرائع ہیں اس لیے ایسی تمام کتب کو آسان اور عام فہم ہونا چاہیے۔ پیر صاحب نے صرف ونحو کے روایتی اسلوب میں جو تبدیلی کی ہے اس کی وضاحت کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں:

''عربی علوم میں دسترس حاصل کرنے کے لیے صرف ونحو کو کلیدی حیثیت ہے اس سے کسے انکار ہے، اس لیے میں نے مفید خیال کیا کہ ابتدائی سالوں میں صرف ونحو پر زیادہ سے زیادہ زور دیا جائے اور اس کے لیے ایسی کتب کا انتخاب کیا جائے جو آسان اور واضح ہونے کے ساتھ ساتھ فن کی تمام خصوصیتوں کی حامل ہوں اور ان کی تعداد بھی زیادہ نہ ہو''۔

(جمال کرم ۱/ ۳۳۲)

دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ میں صرف ونحو کی تعلیم میں جن چیزوں کا خاص طور پر خیال رکھا گیا ہے ان کی نوعیت درج ذیل ہے:

۱۔ روایتی دینی مدارس کے برعکس صرف ونحو کی تعلیم کے لیے کتب کی تعداد واضح طور پر کم کی گئی ہے۔

۲۔ جو کتب منتخب کی گئی ہیں وہ سادہ عام فہم اور آسان اردو اور عربی زبان میں ہیں۔ ابتدائی تعلیم کی مادری زبان میں ضرورت و اہمیت ماہرین تعلیم کے ہاں مسلم ہے۔ تسہیل النحو اور تسہیل الصرف (مولانا حافظ محمد خان نوری) اردو زبان میں ہیں۔ نیز اس کے ساتھ عربی زبان میں عصر جدید کی مطبوعات النحو الواضح (از علی جارم مصطفی امین) کے چھ حصوں کی تدریس بہت عمدہ انتخاب ہے۔ یہ کتاب اپنے موضوع پر انتہائی مفید اور سلجھے ہوئے انداز میں لکھی گئی ہے۔ اس کتاب کی خاص خوبی یہ ہے، قواعد عربی کا عملی اجراء بھی ساتھ ساتھ ہوتا جاتا ہے۔ اور عربی زبان کے قواعد اس طرح پڑھائے جاتے ہیں کہ جس طرح ایک زندہ زبان کے پڑھائے جانے چاہییں۔

ادب وانشاء

درس نظامی کے روایتی نصاب میں ادب وانشاء کی تعلیم برائے نام ہے۔ ادب وانشاء کی جگہ فن بدیع (لفظی صنعت گری) کی کتابیں داخل نصاب ہیں۔

مطول جیسی کتابوں کی تعلیم کے بعد طلبہ میں ادبی ذوق پروان چڑھنے کی توقع رکھنا عبث ہے۔آج کی علمی دنیا میں اگر کسی کو یہ بتایا جائے کہ کچھ ''اصحاب علم'' دنیا میں ایسے بھی ہیں جو بیس پچیس سال تک عربی زبان وادب کی تدریس کے بعد بھی اس میں اپنے مافی الضمیر کے اظہار پر قادر نہیں تو یقیناوہ اسے قبل از تاریخ کی کوئی من گھڑت کہانی قرار دیں گے۔ویسے بھی جس قسم کی عربی زبان ہمارے علماء بولتے ہیں وہ روز مرہ کی زبان نہیں ہے اس لیے جدید نسل کے لیے اس کو سمجھنا کافی مشکل ہے آج کے معروضی حالات میں عالم عرب سے رابطہ وتعلق کے لیے جدید عربی کا جاننا انتہائی ضروری ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ حقیقت بھی پیش نظر رکھنا ضروری ہے کہ دینی مدارس کے قیام کا اصل مقصد قرآن وسنت کی تفہیم ہے جبکہ قرآن وسنت کے معانی ومفاہیم سے واقفیت کے لیے قدیم عربی زبان وادب میں مہارت وممارست ضروری ہے،لہٰذا عربی زبان کے قدیم اور جدید دونوں اسالیب کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا، اس لیے دونوں کا اپنی اپنی جگہ سیکھنا ضروری ہے۔

پیر صاحب نے اپنے مجوزہ نصاب میں ان دونوں ضرورتوں کو پیش نظر رکھا ہے۔طلباء میں قدیم عربی ادب کا ذوق پیدا کرنے کے لیے البلاغۃ الواضحۃ (علی الجارمو مصطفی امین) کے ساتھ دیوان متنبی ،دیوان حماسہ،دیوان حسان ،المفضلیات،نثر میں العبر ات ، مقامات حریری ،الکامل للمبرد،تلخیص المفتاح،اور اسرارالبلاغۃ جیسی کتب شامل نصاب ہیں تو دوسری طرف ابتدائی سالوں میں ہی مفید الطالبین (محمد احسن نانوتوی)تسہیل الانشاء مکمل حصے (محمد سعید الازہری،محمد اکرم الازہری) معلم الانشاء(محمد رابع حسنی ندوی)اور الاسلوب الصحیح (دو حصے) جیسی کتب سے طلبہ میں جدید عربی زبان وادب کا ذوق پیدا کیا جاتا ہے۔عام طور پر کہا جاتا ہے کہ ادب لادین ہوتا ہے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ پیر صاحب نے اپنے مرتب کردہ نصاب تعلیم میں ادب کو بھی مشرف بہ اسلام کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے اور کسی لمحہ بھی زبان دانی کے ساتھ ساتھ طلبہ کی اخلاقی تربیت کو نظروں سے اوجھل نہیں ہونے دیا۔چنانچہ قصیدہ اطیب النغم (شاہ ولی اللہ)اور قصیدہ بردہ شریف (امام بوصیری) کا شامل نصاب ہونا ہمارے اس موقف کی تائید کرتا ہے۔

معاشیات اور سیاسیات

درس نظامی کے روایتی نصاب کی تدریس میں عموماً اسلام کے اجتماعی پہلوؤں کو بری طرح نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔بالخصوص اقوام عالم میں رائج نظام سیاست اور جدید نظام معیشت سے ہمارے علماء کی واقفیت برائے نام ہے جدید علوم سے بے اعتنائی کا سب سے بڑا نقصان یہ ہو رہا ہے کہ طبقہ علماء آہستہ آہستہ ایک ایسا گروہ بنتا جا رہا ہے جس کا کارگاہ حیات اور زندگی کے عملی اور زندہ مسائل سے کوئی تعلق نہیں ہے۔سوسائٹی میں ہمارے علماء کا کردار بھی اب دیگر مذاہب کے مذہبی راہنماوں جیسا بنتا جا رہا ہے جن سے صرف حصول ثواب کی نیت سے مخصوص مذہبی رسومات کی ادائیگی کے لیے رجوع کیا جاتا ہے۔ظاہر ہے یہ صورت حال اسلام جیسے مکمل ضابطہ حیات کے لیے کسی بھی صورت میں قابل قبول نہیں ہے۔علوم جدیدہ سے علماء کی عدم واقفیت کی وجہ سے ہی اس غلط فہمی نے بھی جنم لیا ہے کہ شاید اسلام جدید معاشی ،سیاسی اور عمرانی افکار کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ہمارے اکثر علماء کی سادگی کا یہ عالم ہے کہ وہ ان علوم میں رسوخ تو بڑی دور کی بات ،ان کی بنیادی اصطلاحات تک سے واقف نہیں ہیں۔بقول مولانا زاہد الراشدی:

''دینی تعلیم وتدریس اور بحث وتمحیص کے حوالے سے ہماری گفتگو اعتقادات ،عبادات ،اخلاقیات ، یا زیادہ سے زیادہ خاندانی معاشرت کے چند مسائل تک محدود رہتی ہے جب ہم حدیث یا فقہ کی کوئی کتاب پڑھاتے ہیں تو سارا زور کتاب الطہارت سے کتاب الحج تک ہوتا ہے۔بہت زور مارا تو نکاح وطلاق کے مسائل گویا یہ آخری حد ہے حالانکہ انہی کتابوں میں کتاب البیوع بھی ہے ،کتاب الاجارہ بھی ،کتاب المزارعۃ بھی ،کتاب الجہاد بھی،کتاب الامارہ بھی ہے اور کتاب القاضی بھی۔اس طرح سیاست ،معیشت اور زندگی کے دیگر اجتماعی شعبوں سے تعلق رکھنے والے دوسرے ابواب بھی،لیکن ہم ان ابواب سے اس طرح گزر جاتے ہیں جیسے یہ سب منسوخ ہوں''۔(مغربی ممالک میں مقیم مسلمانوں کی دینی ذمہ داریاں)

پیر صاحب اپنی دوررس نگاہوں سے علما اور سوسائٹی میں بڑھتے ہوئے فاصلے کو گہری تشویش کی نظر سے دیکھ رہے تھے۔چنانچہ انھوں نے اپنے مجوزہ نصاب تعلیم میں اس کمزوری کا ازالہ کرنے کی حتی الوسع کوشش کی ہے۔آپ فرماتے ہیں:

''اس نصاب میں انگریزی ،جغرافیہ ،طبعیات کے علاوہ فلسفہ جدیدہ،علم سیاست (Politics)،علم اقتصادیات (Economics) کو بھی شامل کیا گیا ہے۔کیونکہ آج اسلامی تعلیمات کو موثر طور پر پیش کرنے کے لیے ہمارا ان علوم سے روشناس ہونا از حد ضروری ہے۔علم سیاست واقتصادیات اسلام کے لیے کوئی نئی چیزیں نہیں ہیں اسلام نے جہاں عقائد باطلہ کے بت کدے پاش پاش کیے وہاں اس نے روز ازل سے مستبدانہ ملوکیت اور ظالمانہ نظام معاشیات پر بھی بھرپور وار کیا اور اقتصادی اور سیاسی میدانوں میں ایسی بنیادی اور عادلانہ اصلاحات کیں جن کی گردِ راہ کو بھی عقل کا کاروانِ تیز گام آج تک نہیں پہنچ سکا،لیکن اس میں بھی شک نہیں کہ موجودہ دور میں سیاستو معاشیات کے علوم کو ایسے خطوط پر مرتب کیا گیا ہے کہ بادی النظر میں وہ بالکل جدید علوم دکھائی دیتے ہیں،ضروری ہے کہ ہم بھی موجودہ معنی میں ان کو سمجھیں تا کہ اپنے نظریات عہد حاضر کی عقلوں کو سمجھا سکیں۔اس لیے پہلے ان مضامین کو ان کی موجودہ شکل میں پڑھانے کا انتظام کیا گیا ہے۔اس کے بعد اسلام کے نظریات کا دوسرے نظریات کے ساتھ تقابل کیا گیا ہے''۔

(جمال کرم ۱/ ۳۳۴)

ہمارے بعض قارئین کے لیے شاید یہ بات نئی ہو کہ پیر صاحب کے مرتب کردہ نصاب تعلیم میں ایف اور بی اے کی سطح پر معاشیات اور سیاسیات اختیاری کے بجائے بطور لازمی مضامین پڑھائے جاتے ہیں۔ جس کی وجہ سے طلباء کے لیے معیشت اور سیاست کے جدید نظاموں کا سمجھنا اور اسلامی تعلیمات کے ساتھ ان کا تقابل کرنا آسان ہو جاتا ہے۔تعلیم یافتہ طبقے میں تبلیغ کا کام کرنے کے لیے یہ صلاحیت انہیں نسبتاً زیادہ اعتماد اور اعتبار مہیا کرتی ہے۔

اردو اور انگریزی زبانوں کی تدریس

چونکہ اسلام کا تمام علمی سرمایہ عربی زبان میں ہے اس لیے قدیم اور جدید عربی زبان وادب سے واقفیت علماء کے لیے ناگزیر ہے لیکن اس کے ساتھ یہ حقیقت بھی پیش نظر رکھنا ضروری ہے کہ عربی زبان کے بعد برصغیر کے اہل علم کے لیے اردو زبان بڑی اہمیت کی حامل ہے جو بجا طور پر اس خطے کی زندہ علمی زبان ہے

اور شاید یہ مبالغہ نہ ہو کہ عربی کے بعد اسلامی کتب کا سب سے بڑا علمی اور تحقیقی ذخیرہ اردو زبان میں ہی ہے لیکن دینی مدارس کے روایتی نصاب سے ہمارے علماء میں عربی، اردو اور انگریزی کا جو ذوق پید ہو رہا ہے اس کا حقیقی نقشہ ہمارے ایک بزرگ سید عماد الدین قادری نے اپنے مکتوب میں ان الفاظ میں کھینچا ہے:

''ہمارے وارثان منبر ومحراب!! انگریزی سن کر ہی جنکی اکثریت کو غسل شرعی واجب ہو جاتا ہے، عربی اتنی ہی سیکھتے ہیں جو شاید جنت کی حوریں بولتی ہوں تو ہوں، کیونکہ منتہائے نظر وہی مقام ہے اور اسی غرض سے ہے، اور رہی اردو، ذرا کسی دارالعلوم میں باوضو ہی سہی، جانے کی ہمت تو کر لیجیے، اردو کا جنازہ آپ کو دارالافتاء کے باہر ہی رکھا ہوا بے کفن ملے گا۔ (ماہنامہ الشریعہ، گوجرانوالہ بابت ماہ جولائی، ص:۳۹)

محترم قادری صاحب کے الفاظ سخت ضرور ہیں لیکن حقیقت کے قریب ہیں فتوی نویسی میں ''کیا فرماتے ہیں علماء کرام بیچ اس مسئلہ کے'' جیسے فقروں کا طویل عرصہ سے مسلسل استعمال ہمارے علما کی ''اردو دانی'' کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

پیر صاحب چونکہ خود اردو زبان کے صاحب طرز ادیب تھے اور اردو زبان وادب کی اہمیت سے آگاہ تھے نیز طبقہ علماء سے تعلق رکھنے کی وجہ سے علماء کی اس کمزوری کا احساس رکھتے تھے اس پر انھوں نے اپنے مجوزہ نصاب میں اردو زبان کی تدریس کو خصوصی اہمیت دی اور اس کے ساتھ ساتھ وہ علماء کے لیے انگریزی زبان میں مہارت کو انتہائی اہم سمجھتے تھے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

''یہ ایک حقیقت ہے کہ انگریزی زبان ایک علمی اور بین الاقوامی زبان ہے ایک عالم دین کے لیے اس پر عبور حاصل کرنا متعدد افادیتوں کا حامل ہے اس لیے ابتداء سے آخر تک اس کا سلسلہ تعلیم جاری رکھا گیا ہے۔ تاکہ طلباء نصاب سے فراغت پانے کے ساتھ پنجاب یونیورسٹی کے گریجویٹ بھی ہو جائیں''۔

(جمال کرم ۱/ ۳۳۴)

گلوبلائزیشن کے موجودہ دور میں انگریزی زبان کی اہمیت میں کئی گنا اضافہ ہو چکا ہے آج سے نصف صدی قبل انگریزی جیسی بین الاقوامی زبان کی تعلیم کو اپنے نصاب تعلیم میں لازمی مضمون کے طور پر داخل کرنا پیر صاحب کی دور اندیشی اور بصیرت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

علوم القرآن والحدیث

اسلام کے فکری سرچشمے دو ہیں۔ ایک قرآن دوسرا سنت، اس لیے منطقی طور پر نظام تعلیم کی اساس بھی انہی کو ہونا چاہیے۔ لیکن مدارس کے نظام تعلیم میں طلباء کو پہلے دیگر علوم پڑھا کر ان کا ایک مخصوص مزاج اور ذہنی سانچا بنا دیا جاتا ہے اور پھر اس سانچے کی روشنی میں قرآن پڑھایا جاتا ہے۔ قرآن کو اصل معیار اور کسوٹی بنانے کی بجائے اس کا مطالعہ فقہی مذاہب اور اقوال فقہاء کی روشنی میں کیا جاتا ہے۔ اس سے بڑھ کر قرآن پر اور کیا ظلم ہوگا۔ حدیث کی صورت حال اس سے بھی افسوس ناک ہے، رفع یدین، فاتحہ خلف الامام اور آمین بالجھر جیسے اولی اور خلاف اولی مسائل پر سال کا اکثر حصہ صرف کرنے کے بعد اجتماعی مسائل سے تعلق رکھنے والی احادیث کی تلاوت کے لیے ایسے طالب علم کو تلاش کیا جاتا ہے، جو روزانہ تیس، چالیس صفحات کی تیز رفتار تلاوت پر ''قدرت کاملہ'' رکھتا ہو۔ اللہ کے رسول کیا فرماتے ہیں اس سے نہ استاذ کو غرض ہے اور نہ طلباء کو۔ ہمارے ممدوح حضرت پیر کرم شاہ الازہری اس حوالے سے اپنے احساس کا تذکرہ ان الفاظ میں فرماتے ہیں:

''مروجہ نصاب میں علوم اسلامیہ یعنی قرآن حکیم، حدیث اور اصول فقہ کی تعلیم سے عملی طور پر جو بے اعتنائی روا رکھی ہے وہ باعث ہزار تاسف ہے، اس کو پورا کرنے پر پوری توجہ دی گئی ہے تاکہ ان مضامین سے طلباء کا سرسری تعارف ہی نہ ہو بلکہ ان کی گہرائیوں تک ان کی رسائی ہو۔ ان علوم میں ان کو مہارت حاصل ہو، تاکہ ہر لحظہ تغیر پذیر حالات میں پوری ذمہ داری کے ساتھ اسلام کے ابدی حقائق کو اس طرح پیش کر سکیں کہ موجودہ ذہن انہیں قبول کرنے بلکہ عملی طور پر انہیں اپنا لینے پر مجبور ہو جائے''۔

(جمال کرم ۱/ ۳۳۳)

دینی مدارس میں ایک آدھ کتاب کے استثنی کے ساتھ حدیث کی تمام کتب دورہ حدیث شریف کے نام سے مخصوص آخری سال پڑھائی جاتی ہیں لیکن پیر صاحب نے اپنے مجوزہ نصاب میں ابتدائی سالوں سے لے کر آخری سال تک مسلسل حدیث نبوی کی تعلیم و تدریس پر خصوصی توجہ مرکوز کی ہے۔ طلباء کی کردار سازی میں حدیث کی ضرورت واہمیت اور مقام کی وضاحت کرتے ہوئے پیر صاحب رقمطراز ہیں:

''اخلاقی تربیت کی اہمیت کے پیش نظر تیسرے سال (نو ترقیم شدہ نصاب میں دوسرے سال) سے احادیث نبوی کی دل پذیریوں اور درخشانیوں سے چشم قلب وخرد روشن کرنے کے ساتھ ساتھ مکارم اخلاق کے ان زرین اصولوں سے بھی روشناس ہوں گے جو بعثت نبوی کا مقصد اعلی ہیں''۔ (جمال کرم ۱/ ۳۳۳)

چنانچہ اربعین نووی دوسرے سال، ریاض الصالحین تیسرے، مشکوۃ چوتھے، شرح معانی الاثار چھٹے، موطا امام مالک ساتویں جبکہ صحیحین، سنن ابی داود اور جامع ترمذی نویں اور آخری سال کے نصاب میں شامل ہیں۔ اسی طرح اصول حدیث اور تاریخ حدیث پر کئی کتب مختلف سالوں کے نصاب میں شامل کی گئی ہیں۔

اسی طرح دارالعلوم محمدیہ غوثیہ کے نصاب تعلیم میں قرآن مجید کی تعلیم پر بھی خصوصی توجہ دی گئی ہے۔ انتیسویں اور تیسویں پارے کا حفظ کرنا نیز تجوید کے ساتھ تلاوت قرآن کی صلاحیت ہر طالب علم کے لیے لازمی ہے۔ اگرچہ تفسیر بیضاوی کے منتخب حصے مختلف سالوں میں داخل نصاب ہیں، تاہم پورے قرآن کا ترجمہ اور معاصر تفاسیر کی روشنی میں فہم قرآن نصاب کا لازمی حصہ ہے۔ اس کے علاوہ اصول تفسیر میں الفوز الکبیر، الاتقان اور تاریخ قرآن جیسے موضوعات بھی نصاب کا حصہ ہیں۔ اس مختصر جائزے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ پیر صاحب نے اپنے مرتب کردہ نصاب میں قرآن وسنت کو پوری اہمیت دی ہے۔

تاریخ

اہل دانش کے نزدیک تاریخ کی مثال جھیل کے صاف اور پاک پانی جیسی ہے جس میں قومیں اپنی ماضی کا عکس دیکھتی ہیں اور پھر مستقبل کی منصوبہ بندی کرتی ہیں۔ قوموں کا تابناک ماضی ہی ان کو روشن مستقبل کے لیے تگ وتاز پر آمادہ کرتا ہے۔ اس لیے یہ بات درست ہی معلوم ہوتی ہے کہ ''جس قوم کا کوئی ماضی نہیں اس کا کوئی مستقبل نہیں'' علامہ اقبال کا نوجوانوں سے یہ مطالبہ اسی پس منظر میں تھا:

بھی اے نوجواں مسلم! تدبر بھی کیا تو نے
وہ کیا گردوں تھا تو جس کا ہے اک ٹوٹا ہوا تارا
تجھے اس قوم نے پالا ہے آغوش محبت میں

کچل ڈالا تھا جس نے پاؤں میں تاجِ سرِ دارا

اپنے اسلاف کے کارناموں سے بے بہرہ رہ کر کوئی قوم ترقی کی منازل طے نہیں کرسکتی۔ مسلمانوں کے لیے تو سیرت رسول ﷺ اور سیرت صحابہ وخلفاء راشدین سے واقف ہوئے بغیر اسلام کی عملی تعبیر و تشریح کا تصور ہی محال ہے، اور پھر پوری اسلامی تاریخ کو جس طرح روایت اور درایت کے اصول پر پرکھ کر ہر قسم کے خرافات اور قصے کہانیوں سے پاک کر کے خالص، علمی، تحقیقی اور عقلی بنیادوں پر مرتب کیا گیا ہے، تحقیق وتنقید کے اس اسلوب نے اسلامی تاریخ کی قدر و قیمت میں اضافہ کر دیا ہے۔ علم اسماء الرجال جیسا فن تو خالصتاً مسلمانوں کی ہی ایجاد ہے تاریخ میں جس کی کوئی دوسری مثال موجود نہیں۔

درس نظامی کے روایتی نصاب میں تاریخ سے جس بے اعتنائی کا مظاہرہ کیا گیا ہے محترم پیر صاحب نے کسی حد تک اس کا ازالہ کرنے کی سعی فرمائی ہے۔ چنانچہ ان کے رائج نصاب میں تاریخ قرآن، تاریخ حدیث کے علاوہ سال بہ سال پوری اسلامی تاریخ کا مطالعہ شامل ہے۔ سیرت نبوی ﷺ کے تمام ادوار کا مفصل مطالعہ نصاب کا اہم حصہ ہے۔ زیر تبصرہ نصاب کی یہ ایسی خصوصیت ہے جس نے اس کو تمام وفاقوں کے نصاب سے انفرادی شان عطا کی ہے۔

ضیاء الامت کی کاوشوں کے نتائج واثرات

دارالعلوم محمدیہ غوثیہ میں جس نظام تعلیم کا تجربہ کیا گیا وہ بالکل نیا اور انفرادی توعیت کا تھا۔ پروفیسر حافظ احمد بخش صاحب کا یہ دعوی بجا طور پر درست ہے:

"یہ ایک تاریخی اور ناقابل تردید حقیقت ہے کہ دارالعلوم محمدیہ غوثیہ ہی برصغیر پاک وہند میں وہ پہلا ادارہ ہے جس کے سربراہ نے سب سے پہلے قدیم اور جدید علوم کو یکجا کر کے نصاب کا ایسا حسین گلدستہ قوم کی نذر کیا جس کی مہک پھیلتے پھیلتے آفاق کی وسعتوں میں پہنچ گئی اور نہ صرف پورے پاکستان بلکہ بنگلہ دیش بلکہ یورپ کے مختلف ممالک میں بھی یہ دانش گاہ مختلف واسطوں سے اسلام کا فیضان پہنچا رہی ہے"۔

(جمال کرم، ۱/ ۳۳۸)

لیکن ابتدائی سالوں میں صورت حال قطعاً قابل رشک نہ تھی نئے نظام تعلیم کی تنفیذ میں پیر صاحب کو جن مشکلات اور رکاوٹوں کا سامنا کرنا پڑا اور پھر آپ نے ان مشکلات کا جس خندہ پیشانی، استقامت اور مستقل مزاجی سے سامنا کیا اس کی بعض جھلکیاں "جمال کرم" کی پہلی جلد میں ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔

تاہم جوں جوں وقت گزرتا گیا دارالعلوم محمدیہ غوثیہ کا نظام تعلیم لوگوں کی توجہ کا مرکز بنتا گیا اور آج تقریبا نصف صدی بعد، جو کسی بھی علمی تحریک کے لیے زیادہ مدت نہیں ہے، دارالعلوم محمدیہ غوثیہ ایک ایسے علمی اور فکری مرکز کی حیثیت اختیار کر چکا ہے جس کے ذیلی اداروں کی تعداد سو سے زائد ہے جبکہ یورپی ممالک اور دوسرے ملکوں میں دارالعلوم کی ذیلی شاخوں کی حیثیت سے کام کرنے والے ادارے اس کے علاوہ ہیں۔

دارالعلوم محمدیہ غوثیہ سے فارغ التحصیل فضلا کی قومی اور عالمی سطح پر دعوتی خدمات اس بات کا منہ بولتا ثبوت ہیں کہ پیر صاحب نے جس شجر سایہ دار کی آبیاری اپنے خون جگر سے کی تھی وہ کاروان نہ تو رکا ہے اور نہ ہی فکری جمود کا شکار ہوا بلکہ ایک ایسی علمی تحریک کا روپ دھار چکا ہے جس کے تجربات سے استفادہ کرنا دینی مدارس کے ارباب دانش کی اہم ضرورت اور حالات کا تقاضا ہے۔ دینی اور عصری تعلیم کے حسین امتزاج پر مشتمل اس نصاب تعلیم ہی کا یہ ثمرہ ہے کہ دارالعلوم محمدیہ غوثیہ کے فضلا اس وقت، مساجد، مدارس، افواج پاکستان، سکول، کالج، جامعات اور زندگی کے دیگر شعبوں میں اعلی عہدوں پر خدمات انجام دے رہے ہیں۔ دارالعلوم کے فضلا کی علمی فکری اور ملی خدمات ایک مستقل مضمون کی متقاضی ہیں جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔

تجاویز وگزارشات

دارالعلوم کے نصاب تعلیم میں وقتاً فوقتاً ہونے والی تبدیلیاں اس بات کا واضح ثبوت ہیں کہ یہ نصاب کبھی بھی جمود کا شکار نہیں ہوا اور اس کے موسس اعلی نے اپنے علمی ورثا کے لیے عملی مثال قائم کی ہے کہ وہ حالات اور ضرورتوں کے مطابق نصاب میں مناسب تبدیلیوں سے گریز نہ کریں۔ اس پس منظر میں ہم دارالعلوم کی موجودہ نصاب کمیٹی سے چند گزارشات کریں گے۔

۱۔ عباسی دور میں یونانی فلسفہ کے اثرات سے امت کو محفوظ رکھنے کے لیے مسلمان اہل علم اور متکلمین نے شاندار خدمات سرانجام دیں یہاں تک کہ یہ فتنہ فنا ہوگیا۔ آج پھر یونانی فلسفہ کی مانند مغربی فلسفہ و تہذیب چیلنج بن کر سامنے آئی ہے اس لیے مغربی فکر و فلسفہ کا تفصیلی تعارف اور جائزہ عصر حاضر کا اہم موضوع بن گیا ہے۔ اس وقت اسلامی فکر کا براہ راست تصادم اور ٹکراؤ بھی مغربی فکر وفلسفہ سے ہے اس لیے ہماری عاجزانہ رائے یہ ہے کہ معتزلہ، جبریہ، قدریہ اور دیگر کلامی فرقوں اور ان کے ائمہ کو کچھ وقت کے لیے معاف کر دیا جائے۔ مناسب یہ ہوگا کہ تقابل ادیان کی طرز پر مغربی فکر وفلسفہ کو شامل نصاب کیا جائے، فرائیڈ، ڈارون، مالتھس، آئن سٹائن ایرک فرام، ایڈلر، سارتر اور دیگر مغربی علماء کے افکار کا جائزہ لیا جائے کیونکہ انہی اہل علم کے نظریات مغربی تہذیب کے اصل سرچشمے ہیں۔ نوجوان نسل کو مغرب کے فکری اثرات سے بچانے کے لیے اس میدان میں بھی دارالعلوم کے قائدانہ کردار کی ضرورت ہے۔

۲۔ ہمارے ہاں مدارس میں زیادہ زور فقہ اور اصول فقہ کی تدریس پر دیا جاتا ہے اساتذہ کرام اپنی ساری ذہنی صلاحیتیں دیگر فقہی مذاہب پر فقہ حنفی کی فوقیت ثابت کرنے میں صرف کر دیتے ہیں، سوال یہ ہے کہ کیا فقہ شافعی یا کسی دوسری فقہ کے عالمی سطح پر غلبے کا خطرہ ہے؟ اگر ایسا نہیں ہے تو پھر دیگر فقہی مذاہب کی پر زور تردید بلکہ مذمت کا کیا فائدہ ہے؟۔ اس سلسلے میں ہماری رائے یہ ہے کہ عصر حاضر کے تقاضوں کے پیش نظر ائمہ اربعہ کے فقہی مذاہب کے تعارفی مطالعہ کے ساتھ ساتھ اسلامی قانون (فقہ) کا ملکی اور بین الاقوامی قانون کے ساتھ تقابلی مطالعہ وقت کی اہم ضرورت ہے، تاکہ اسلامی قانون کی آفاقیت اور ابدیت کو مدلل انداز میں پیش کیا جا سکے۔ اس کے بغیر نہ فقہ کی تدریس کا حق ادا ہوسکتا ہے اور نہ جدید فکری چیلنج کا مقابلہ کیا جاسکتا ہے۔ اس لیے مناسب یہ ہے کہ اقوام متحدہ (UNO) کے چارٹر "بنیادی انسانی حقوق کا عالمی منشور" کو جو اس وقت عالمی قانون کا درجہ رکھتا ہے، شامل نصاب کیا جائے اور پھر تقابلی مطالعہ کے بعد اسلامی حدود وتعزیرات اور عائلی قوانین پر ہونے والے اعتراضات کا علمی اور تحقیقی انداز میں جواب دیا جائے۔

۳۔ اگرچہ دارالعلوم میں زیر تدریس نصاب تعلیم میں فہم قرآن مجید پر خصوصی توجہ دی گئی ہے تاہم اس پہلو پر ابھی مزید سوچ بچار کی ضرورت ہے، بالخصوص قرآن مجید کی آیاتِ احکام خصوصی توجہ کی مستحق ہیں۔ اس لیے اگر آیاتِ احکام کو ایک خصوصی پرچے کے طور پر شامل نصاب کیا جائے تو زیادہ مناسب ہوگا۔

اللہ کی یاد اور "ذکر"

آصف بلال آصف

وہ لوگ جو ایمان لائے اور اللہ کے ذکر سے ہی ان کے دل مطمئن ہوتے ہیں۔خبردار اللہ کے ذکر سے ہی دلوں کو اطمینان ہوتا ہےo (الرعد 28)

-----اللہ کو یاد کیے بغیر انسان کی نجات ممکن نہیں ہے-----

-----اللہ کا زکر باعثِ سکونِ قلب ہے----

-----یاد اس کو کیا جاتا ہے جس سے محبت ہو-----

اس کا ایک نچلا درجہ یہ بھی ہے کہ اگر کسی سے کوئی ضروری کام پڑ جائے تو تب بھی اسے یاد کیا جاتا ہے-----

شروع میں چونکہ نفس انسان کو اللہ سے زیادہ قربت اور پہچان نہ ہونے کی وجہ سے زیادہ محبت محسوس نہیں ہوتی اس لیے آغاز میں اللہ کو اس لیے یاد کرنا ہوتا ہے تا کہ وہ اپنی محبت انسان کو عطا کرے-----کسی کام، کسی مشکل کے حل کے لیے بھی اللہ کو یاد کرنا ہوتا ہے-----جب کسی کو یاد کرنا مقصود ہو تو انسان اس کا تذکرہ بار بار کرتا ہے۔

اس طرح اللہ کو یاد کرنا دراصل اس کا ذکر کرنا ہے-----

نماز ایک ایسا ذکر ہے جو مخصوص اوقات میں فرض ہے----قرآن پاک کی تلاوت کرنا بھی ذکر ہے-----تسبیحات کرنا بھی ذکر ہے-----

نماز اور قرآن کریم پڑھنے کیلئے کچھ ضابطے مقرر ہیں۔ جن میں طہارت اور وضو سب سے پہلے ہیں-----نماز اور قرآن کو سارا دن نہیں پڑھا جاتا-----کچھ مخصوص لوگ ہوتے ہیں جیسے قاری، حفاظ اور ریسرچ کرنے والے بھی ہوتے ہیں جو قرآن کو بہت بار پڑھتے ہیں-----اللہ کے نیک بندے اس کے دوست بھی قرآن کو کثرت سے پڑھنے والے ہوتے ہیں لیکن پھر بھی ایک حد سے زیادہ نہیں پڑھا جا سکتا-----جو وقت بچ جاتا ہے اس میں جو شخص اللہ کی طلب، جستجو اور محبت رکھتا ہے-----فطری طور پر اس کی خواہش ہوتی ہے کہ ہر وقت اللہ کو یاد کرے-----جب انسان اس مقام پر پہنچتا ہے تو اُسے ذکر کی ضرورت ہوتی ہے-----

ترجمہ: اے حبیب! اس کی تلاوت فرمایئے جو کتاب سے آپ کی طرف وحی کیا گیا اور نماز کو قائم فرمایئے بے شک نماز فحاشی اور برے کاموں سے روکتی ہے اور اللہ کا ذکر سب سے بڑھ کر ہے اور اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہوo

(العنکبوت 45)

نماز، قرآن، تسبیح سب اللہ کا ذکر ہے۔لیکن ایک ذکر ایسا ہے جو سب سے بڑا ہے۔یہ ذکر اسمِ ذات کی ہر وقت تکرار ہے ایک ایسے نام کا ہر وقت پڑھنا ہے جسے انسان نے نہیں خود اللہ تعالیٰ نے تخلیق کیا ہے۔ ذکر آیت کا بھی ہے اور اسماء الحسنیٰ میں سے کسی ایک دو یا تین اور اس سے زیادہ اسماء کا بھی ہے-----زیادہ تر تو ایک اسمِ الٰہی کا ذکر کیا جاتا ہے-----کچھ لوگ دو اسمِ الٰہی کو ملا کر اور کچھ تین کو ملا کر بھی ذکر کرتے ہیں-----اپنی اپنی پسند کی بات ہے جو اسم دل کے قریب آ جائے ذکر اسی کا ہے-----ذکر ان گنت ہے اس میں تسبیح نہیں وِرد ہے -----اسے گنا نہیں، پڑھا جاتا ہے-----بے حد و حساب پڑھا جاتا ہے-----

ترجمہ: وہ لوگ جو کھڑے اور بیٹھے اور اپنے پہلوؤں پر اللہ کو یاد کرتے رہتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں غور و فکر کرتے رہتے ہیں (اور دعا کرتے ہیں) اے ہمارے رب! تو نے یہ سب کچھ بے مقصد پیدا نہیں فرمایا، بڑی قوت والی ہے تیری ذات سو ہمیں آگ کے عذاب سے محفوظ رکھo (آل عمران 191)

ہمارے پیر و مرشد سید ریاض حسین شاہ جی ہمیں جو ذکر تلقین کرتے ہیں بلکہ میں نے سینکڑوں مرتبہ آپ کے سامنے آپ کی محفل پاک میں بیٹھ کر آپ کا سکھایا ہوا ذکر کیا ہے-----آپ فرماتے ہیں کہ اللہ-اللہ-اللہ دل کی دھڑکن کے ساتھ خفی طریقے سے کیا جائے-----

جو لوگ اپنے مرشد پاک اور استاد کی اجازت سے ذکر کرتے ہیں یقینا جلدی ذکر کی تجلیات سمیٹتے ہیں-----

بحر حال جو بھی اسمِ الٰہی ذکر کے لیے چن لیا جائے اسے ہر وقت ہر حالت میں پڑھنا ہوتا ہے-----ذکر اللہ سے رابطہ کرنے-----Connect ہونے کے لیے سب سے بڑا راستہ ہے-----

اللہ کا ذکر-----اللہ کو یاد کرتے کرتے اپنی محدود ہستی کو فراموش کرنا ہے۔اسمِ زات کی تکرار سے دل گناہوں کی آمیزش سے پاک ہو جاتے ہیں-----

سوچ میں خیال میں نامِ اللہ کا تکرار جیسے جیسے تقویت پکڑتا جاتا ہے انسان اللہ کے قریب ہوتا جاتا

ہے۔شروع میں ذہن چنچل ہوتا ہے اس لیے سوچ کے ساتھ زبردستی نہیں کرنی چاہیے۔اس لیے جتنا ذکر ہو سکے کرنا چاہیے کیونکہ پہلے پہل نفس بہت مزاحمت کرتا ہے ۔۔۔۔۔تھکاوٹ محسوس کرتا ہے ۔۔۔۔۔بہت بھولتا ہے۔۔۔۔۔بھول جائے تو اسے یاد آنے پر ذکر دوبارہ شروع کر دینا چاہیے۔۔۔۔۔

یہی اللہ کی یاد ہے۔۔۔۔۔یہ اچانک نہیں آہستہ آہستہ آنی شروع ہوتی ہے۔۔۔۔۔دھیرے دھیرے بڑھتی ہے۔۔۔۔۔شروع میں نفس دنوں تک بھولتا رہتا ہے۔۔۔۔۔پھر ایک دن میں کئی بار، کئی کئی گھنٹے بھولتا ہے۔۔۔۔۔پھر گھنٹے میں کئی کئی منٹ بھولنے پر آجاتا ہے اور آخر کار پھر کچھ لمحے رہ جاتے ہیں جب اللہ کی یاد سے نفس غافل ہوتا ہے۔۔۔۔۔یہ لمحے بھی جلد یا بدیر اللہ کی محبت میں فنا ہو ہی جاتے ہیں۔۔۔۔۔

یہ سب ایسے ہوتا ہے جیسے کوئی سائیکل چلانا سیکھے تو شروع میں ہر شیء بھول جاتا ہے۔۔۔۔۔کبھی پیڈل چلانا بھولتا ہے۔۔۔۔۔پیڈل یاد آجائے تو بریک لگانا بھول جاتا ہے۔۔۔۔۔سامنے دیکھے تو پیڈل نہیں چلتا اور اگر پیڈل چلانے لگ جائے تو سامنے نہیں دیکھ پاتا۔۔۔۔۔گرتا ہے۔۔۔۔۔پھر سنبھلتا ہے اور آہستہ آہستہ ایک دن وہ بھی آتا ہے کہ انسان بے پروائی سے سائیکل چلاتا چلا جاتا ہے۔۔۔۔۔کمال کی یہ حالت ہوتی ہے کہ سائیکل چلا رہا ہوں۔سائیکل چل رہا ہے۔۔۔۔۔سب بھول جاتا ہے۔سب آٹو میٹک ہو جاتا ہے۔۔۔۔۔ایسے ہی ذکر ہے شروع میں بہت بھولتا ہے پھر کوئی بھولنا چاہے بھی تو بھلا نہیں سکتا آٹو میٹک ہو جاتا ہے اِسے ہی ذکر کا جاری ہونا کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نفس کے Patterns کا خالق ہے۔۔۔۔۔وہ جانتا ہے کہ اسے کیسے ٹھیک کرنا ہے۔۔۔۔۔اس لیے اس نے ذکر کو فضیلت بخشی اور اسے خود تک آنے کا راستہ بتایا ہے ۔۔۔۔۔ماہر نفسیات کہتے ہیں کہ تکرار ذہن کی بہت بڑی کمزوری ہے۔۔۔

للہ نے انسان کی اس کمزوری کو ذکر سے طاقتور کرنے کا راستہ پیدا کیا ہے۔۔۔۔ جب سارا دن زبان ذکر کی عادی ہو جائے پھر تسبیح پر ذکر کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔۔۔۔۔اب ان گنت ذکر کا وقت شروع ہو گیا ہے۔۔۔۔اللہ جب انسان کو بے حساب عطا کرتا ہے تو پھر انسان کا بھی یہ فرض ہے کہ وہ بے حساب ذکر کرے ۔۔۔۔۔یہ مقام ذکر لسانی ہے۔۔۔۔۔جیسے جیسے ذکر کی عادت بڑھتی جاتی ہے ذاکر خود محسوس کرتا ہے کہ اسے خود بخود ذکر کرنے کا طریقہ اور سلیقہ آتا جا رہا ہے۔۔۔۔۔اب بلند آواز سرگوشی میں بدل جاتی ہے۔۔۔۔۔پھر سرگوشی بھی ختم ہو جاتی ہے۔۔۔۔۔ اب صرف ہونٹ ہلتے ہیں اور زبان ہلتی ہے۔۔۔۔ اسے کہتے ہیں کہ ذکر پکایا جا رہا ہے۔۔۔۔۔

یہاں تک مشقت ہے۔۔۔۔۔کوشش ہے۔۔۔۔۔ جستجو ہے۔۔۔۔۔خود پڑھنا ہوتا ہے۔۔۔۔۔

۔۔۔۔۔شعوری کوشش ہوتی ہے۔۔۔۔۔

۔۔۔۔۔زور لگتا ہے۔۔۔۔۔ذہن تھکتا ہے ۔۔۔۔۔

۔۔۔۔۔مگر چونکہ عادت بن چکی ہوتی ہے اس لیے ذاکر پڑھتا رہتا ہے۔۔۔۔۔

۔۔۔۔۔ جب پڑھتے پڑھتے کافی عرصہ گزر جائے تو آہستہ آہستہ ذکر کا طریقہ بدلنے لگتا ہے۔۔۔۔۔

۔۔۔۔۔ذکر کرتے کرتے انسان سو جائے اور اچانک آنکھ کھلے تو احساس ہوتا ہے کہ وہ ذکر کر رہا تھا۔۔۔۔۔

۔۔۔۔۔استعداد بڑھنے لگتی ہے۔۔۔۔۔

۔۔۔۔۔کوئی بھی کام کرتے ہوئے کسی کی بات سنتے ہوئے اچانک احساس ہوتا ہے کہ ذکر ہو رہا ہے۔

۔۔۔۔۔اب ذکر خفی شروع ہوتا ہے۔۔۔۔۔یہ اگلی منزل ہے۔۔۔۔۔میرے شاہ جی سرکار فرماتے ہیں کہ ذکر کرتے ہوئے سنگی کو چاہیے کہ وہ اپنے مرشد کو اپنے خیال میں لے کر آئے۔۔۔۔۔اپنے مرشد پاک کے ساتھ بیٹھ کر ذکر کرنے کو تصور میں لائے۔۔۔۔۔اس طرح ذکر میں آسانی ہوتی ہے۔۔۔۔۔

میرا اپنا تجربہ یہ ہے کہ میں جب ذکر کرتے ہوئے ادھر اُدھر بھٹکنے لگتا ہوں تو مرشد کریم کا چہرہ اپنی آنکھوں میں لاتا ہوں تو ایک راحت۔۔۔۔۔ایک سکون کا احساس پیدا ہوتا ہے۔۔۔۔۔اور نام اللہ پر یکجوئی نصیب ہونے لگتی ہے۔۔۔۔۔

اب جب ذاکر نام اللہ کا ذکر کر رہا ہوتا ہے تو اسے یہ اندازہ ہی نہیں ہوتا کہ اللہ کی اس وسیع و عریض سلطنت میں اس دوران اس دنیا میں بہت سے مردانِ خدا ہوں گے جو نام اللہ کا ذکر کر رہے ہوں گے ۔۔۔۔۔جیسے دنیا میں ہر لمحے اذان گونج رہی ہے۔۔۔۔۔جیسے ہر ساعت سجدہ ہو رہا ہے۔۔۔ ۔۔رکوع و قیام ہو رہے ہیں۔۔۔۔۔ہر وقت قرآن کریم کی تلاوت جاری و ساری ہے۔۔۔۔۔اسی طرح اللہ تعالیٰ کے اسماء الحسنیٰ کا ذکر اور حضور اکرم ﷺ پر درود پاک ہر لمحہ جاری و ساری ہے۔۔۔۔۔یہ کبھی بند نہیں ہوتا۔۔۔۔۔زمین و آسمان اللہ کے ہیں اور اسی کے نام کی گونج سے زمین و آسمان اور یہ کائنات کبھی کسی لمحے خالی نہیں رہی۔۔۔۔۔

اب وہ شخص جس نے اللہ-اللہ-اللہ کا ذکر شروع کیا ہے۔۔۔۔۔وہ بھی اس گروپ کا حصہ بن گیا جو ساری دنیا پر پھیلے ہوئے اللہ-اللہ کرنے والے لوگوں پر مشتمل ہے اور اس ذکر میں ہر لمحہ، ہر لحظہ مصروف عمل ہیں۔۔۔۔۔اب ذکر کے اس گروپ میں اللہ کے کتنے ہی نیک اور ولی لوگ بھی شامل ہوں گے تو ذاکر ان تمام لوگوں کا فیض بھی حاصل کرتے ہوئے اطمینانِ قلب کی منازل طے کرتا جاتا ہے۔۔۔۔۔

یہاں ایک بات کا خیال رکھنا اشد ضروری ہے کہ ذاکر کا دل اگر اخلاص سے تہی دامن ہو تو اس قدر سخت مجاہدے سے بھی کچھ حاصل نہیں ہو پائے گا۔۔۔۔۔

۔۔۔۔۔ذکر کے ساتھ ساتھ نفس کا تزکیہ اور اخلاص لازم ہے۔۔۔۔۔ہر حال میں لازم ہے۔۔۔۔۔اس بات کی وضاحت کرنا اس لیے ضروری ہے کہ کچھ لوگ تھوڑا سا ذکر کر لینے کے بعد حیران ہونے لگتے ہیں کہ اثرات دکھائی نہیں دے رہے اور تھک ہار کر اکتا کر ذکر چھوڑ دیتے ہیں۔۔۔۔۔

۔۔۔۔۔جن کی فطرت سعید ہوتی ہے وہ کم ذکر سے ہی بلندیوں کو چھونے لگ جاتے ہیں۔۔۔۔

۔۔۔۔۔لیکن کچھ ایسے ہوتے ہیں جن کے مزاج کی سختی بہت زیادہ ذکر کرنے سے آہستہ آہستہ اصلاح کی طرف مائل ہوتی ہے۔۔۔۔۔

۔۔۔۔۔یہ تو اپنے اپنے نصیب کی بات ہوتی ہے ہمیں تو بس اتنا پتہ ہونا چاہیے کہ اللہ کو سب سے زیادہ یاد کرنا ہوتا ہے۔۔۔۔۔

۔۔۔۔۔ذکر جب ہر شیء سے زیادہ ہو جائے اور بلندی پر برقرار رہے تب بات بنتی ہے۔۔۔۔ یہ کام بڑی ہمت سے کرنے والا ہے۔۔۔۔۔

۔۔۔۔۔اس کا اجر اللہ تعالیٰ بذاتِ خود ہے۔۔

بقیہ: صفحہ نمبر 27 پر

صوتی حسن کا ملکوتی پیکر
حضرت سیدنا بلال بن رباح رضی اللہ عنہ

سید ریاض حسین شاہ

آواز حسن ہے۔ایسا حسن جسے انقلاب کی پرکار کہا جاسکتا ہے۔آبشاروں کے گرنے سے پیدا ہونے والی آوازیں ، بل کھاتی ندیوں کے دوڑنے سے پیدا ہونے والے ارتعاش ،چشموں اور جھرنوں کے اچھلنے کی صدائیں۔مضراب کی چھاتی سے نکلنے والے نغمے، سارنگی کی تاروں سے جنم لینے والی دھنیں ، پتوں کے ٹکرانے سے بجنے والی تالیاں حسن ہی حسن ہیں۔ایسا حسن جس سے صرف ان ہی لذت مند ہو سکتے ہیں ۔ فطرت نے سمع ذوقی کے ان گنت ذریعے بنائے ہیں لیکن جو لطافت اور مٹھاس ، جو شیرینی اور حلاوت ، جو کیف اور رنگ اور جو مستی و ذوق ''انسانی آوازوں'' میں بھرا ہے اس کی کوئی نظیر نہیں۔

اچھی آواز
خوبصورت آواز
سچی آواز
دلکش آواز
دل موہ آواز
اچھی سوچوں کا مظہر بن سکتی ہے
اچھے افکار کی دلیل ہوسکتی ہے
اچھے جذبوں کی برہان ہوسکتی ہے
اس میں شک نہیں اچھی آواز عشق کی
اساس ہوتی ہے
درد کا اظہار ہوتی ہے
خوشگوار تبدیلیوں کی بنیاد ہوتی ہے
انقلاب کی ضرورت ہوتی ہے
اخلاق سازی کی دہلیز ثابت ہوسکتی ہے

انسانی تاریخ میں بہت سے لوگ پیدا ہوئے جن کے پاس فطرت کا یہ نور وافر مقدار میں موجود رہا۔ ایسے لوگ بھی جن کے برق برق خطبوں نے دل دہلا دیے ایسے لوگ بھی جن کی باتوں کی کرن روشنی نے دل دھو دیے ایسے لوگ بھی جن کے پھول پھول بولوں نے انسانی تقدیر بدل دی ۔ ایسے لوگ بھی جن کے نور نور واعظوں نے علم کے دریا بہا دیے اور ایسے لوگوں کی بھی کمی نہیں رہی جن کی سریلی آوازوں نے نوری جذبوں میں سفلی سوچوں کی گندگی پیدا کی گویا آوازوں کی تاریخ میں جہاں ساخت کے اعتبار سے زیر و بم ہے۔ نشیب و فراز ہے ایسے ہی اثر اور تاثر کے لحاظ سے زمین اور آسمان کا فرق ہے لیکن تاریخ کے کانوں کو یہ بات اچھی طرح سن لینی چاہیے کہ اس جہاں میں بسنے والوں نے ایک آواز ایسی بھی سنی جو بلاشبہ کہکشاں کی چمک رکھتی تھی

بجلیوں کا انداز رکھتی تھی
سورج کی روشنی
اور چاند کے اجالے رکھتی تھی
ایسی آواز جس میں ہمیشہ کبریائی
نغموں ہی کی مٹھاس ملتی ہے
ایسی آواز جو فضا میں مسکراتی
تو جنت کی حوریں بھی رقصاں
ہوتی ایسی آواز جو کانوں میں
پڑتی تو دل جنت ہوا ٹھتا ایسی
آواز جو رات کا کلیجہ چیرتی تو فرشتے
درود پڑھتے ،ایسی آواز جو زماں کی
زمین پر بکھرتی تو دنیا ملکوتی نظاروں
کی نظیر بن جاتی یہ خوبصورت آواز
یہ میٹھی آواز
یہ جہیر آواز
یہ گرجدار آواز
یہ نورانی آواز
یہ نوری آواز تھی

حضرت سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کی یہ نازش کونین محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی محبت اور پیار سے سنتے بلکہ دعا دیتے۔ حضرت سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو تاریخ نے جس تصویری رنگ میں پیش کیا وہ ہے

مظلوم بلال رضی اللہ عنہ
مسکین بلال رضی اللہ عنہ
ستم یافتہ بلال رضی اللہ عنہ
مجبور بلال رضی اللہ عنہ
مقہور بلال رضی اللہ عنہ
غلام بلال رضی اللہ عنہ
فقیر بلال رضی اللہ عنہ
لیکن

سمجھتا ہوں کہ بلال رضی اللہ عنہ فقیر تھے لیکن فقیر خدا مست تھے عشق رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں ہر دو جہاں سے بے نیاز بنا دیا تھا انہیں خدائے رحمت و نعمت نے اس دولت سے نواز دیا تھا کہ دنیا کا مال دار سے مال دار شخص بھی ان کے سامنے ہیچ تھا۔رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مسلسل نظر کرم نے انہیں وہ مقام عطا کر دیا کہ حضرت امیر المؤمنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ ایسے بزرگ صحابہ رضی اللہ عنہم بھی انہیں ''سیدنا'' کہہ کر پکارتے۔

سو بلا مبالغہ کہا جاسکتا ہے کہ
خودار بلال رضی اللہ عنہ
باحوصلہ بلال رضی اللہ عنہ
کارکشا بلال رضی اللہ عنہ
باطل شکن بلال رضی اللہ عنہ
کفر سوز بلال رضی اللہ عنہ
مجاہد بلال رضی اللہ عنہ
امین بلال رضی اللہ عنہ
اور محب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بلال رضی اللہ عنہ
معتمد رسول بلال رضی اللہ عنہ
عشق کیش نبی اور

عشق کیش رسول بلال رضی اللہ عنہ

آپ کی والدہ کا نام ''حمامہ'' تھا اور والد ''رباح'' تھے۔ حبشہ کے رہنے والے تھے غلام ہو کر بنو جمح کے پاس مکہ میں پہنچ گئے۔ حلیہ مؤرخین نے لکھا کہ

رنگت سیاہ تھی
قد طولانی تھا
ماتھا تھوڑا اٹھا ہوا تھا
آنکھیں سرخ جیسے
خون بستہ ہوتا ہے
ہاتھ لانبے لانبے
چھاتی کھلی ہڈیوں
پر گوشت خفیف
جسم داغ دار
آواز گرج دار
لباس سفید اور شفاف
عمامہ تباب دار
ہاتھوں میں پھرتی جیسے برق پارے بھرے ہوں
قدموں میں تیزی جیسے بجلیاں شعلہ بہ پا ہوں
زبان
نغمہ زن
منہ گیت گو
دل لرزاں بہ وجد
بدن مستاں بہ کیف
نظر رقصاں بہ عشق
سینہ پیچاں بہ درد
حاصل زندگی
''احد احد'' ''احد احد''
خوشی ہو یا غم۔۔۔۔۔ ''احد احد''
اندھیرے ہوں یا اجالے۔۔۔۔۔ ''احد احد''
شب تیرہ و تار ہو یا روز روشن۔۔۔۔۔ ''احد احد''
بولہبی کی ستیزہ کاریاں ہوں تو۔۔۔۔۔ ''احد احد''
ذوق محبت کی کلکاریاں ہوں تو۔۔۔۔۔ ''احد احد''
گھسیٹنے والے گلے میں رسیاں ڈال کر تپتی ریت پر گھسیٹے جا رہے ہیں لیکن کہنے والا کہہ رہا ہے ۔۔۔ ''احد احد''
لوہے کی تپتی سلاخوں کے ساتھ جسم داغا جا رہا ہے لیکن زبان پر ترانہ نور جاری ہے۔۔۔۔۔ ''احد احد''
جان سے مار ڈالنے کی دھمکیاں وحشت ناک صورت اختیار کر رہی ہیں لیکن عشق رسول ﷺ میں ڈوبے ہوئے دل کی ایک ہی پکار ایک ہی صدا ایک ہی آہ اور ایک ہی کراہ۔۔۔ ''احد احد''

''احد احد'' قول کا جواب نہیں لیکن
''احد احد'' کے قائل کی بھی کوئی مثال نہیں

حضرت سیدنا بلال رضی اللہ عنہ پہلے چھ یا سات لوگوں میں ایک تھے جنہوں نے علی وجہ البصیرت ''اسلام'' قبول کیا

ایمان کی تصویر بنے
اطاعت کا مفہوم بتلایا
اتباع کا نقشہ پیش کیا
عشق کی تفسیر لکھی
درد کی داستان رقم کی
جذبوں کی بہار، جیتی آرزوؤں کی نکھار
بلاشبہ انہی کے دم قدم سے تھی

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

سبقت لے جانے والے چار ہیں
میں عربوں میں
صہیب رومیوں میں
سلیمان اہل فارس میں
اور بلال رضی اللہ عنہ حبشہ میں

عشق رسول ﷺ نے بلال رضی اللہ عنہ کی پیشانی میں غیرت وحمیت، خودی اور استغنا کے ماہتاب رقصاں کر رہے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ مکہ ہو یا مدینہ، ام القریٰ ہو یا شہر نور رسول کریم ﷺ کے فدایوں کا مرکز توجہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ بن چکے تھے۔ بڑے بڑے لوگ جب حضرت سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو توصیفی جملوں سے نوازتے تو آپ گھائل ہو جاتے۔ سر جھک جاتا ماتھے پہ ہلکے ہلکے پسینے آ جاتے نگاہوں سے عاجزی امڈ آتی اور رخساروں پر فرط نیاز مندی سے آنسو ڈھلک جاتے اور آپ فرماتے:

انما انا حبشی۔۔۔۔۔
کنت بلا مس عبدا۔۔۔۔۔
میں تو کچھ نہیں۔۔۔۔
سوائے اس کے کہ حبشی ہوں۔۔۔۔۔
ہاں میں کیا ہوں سوائے اس کے کہ کل میں غلام تھا۔

کیا خوب لکھا خالد محمد خالد نے کہ یہ ''اسلام'' کا دائمی اور ابدی فیضان ہے جس نے بلال کو وہ دوام بخش دیا کہ آج مغرب ہو یا مشرق
پاکستان ہو یا چین
ملائیشیا ہو یا روس
ترکی ہو یا ایران
شام ہو یا سوڈان

بچے بھی حضرت سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کا نام جانتے تھے۔ اگر اسلام کا نور اور حضور ﷺ کی محبت ان کے سینے میں جذب نہ ہوئی ہوتی تو آپ غلام ہی ہوتے اور غلاموں کی دنیا میں آج گم ہوتے اور کوئی انہیں جانتا تک نہ ہوتا۔

ہے تازہ آج تک وہ نوائے جگر گداز
صدیوں سے سن رہا ہے جسے گوش چرخ پیر
اقبال یہ کس کا فیض عام ہے
رومی فنا ہوا حبشی کو دوام ہے

اللہ اکبر۔۔۔۔!!
اللہ اکبر۔۔۔۔۔!!

یہ حسین کلمات اپنی دل آویزی ہی میں بے مثال نہیں بلکہ نماز کے لیے مسلمانوں کو جمع کرنے کا ایک ذریعہ بھی ہیں۔ ''الصلوۃ جامعہ'' ایسا مختصر جملہ ہو یا ''الصلوٰۃ خیر من النوم'' پر وجاہت فقرہ ہر ایک کے حسن میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی یادیں مضمر ہیں اس لیے کہ انہیں سب سے پہلے حضور ﷺ کے حکم پر آپ ہی نے ادا کیا تھا۔ اذان بذات خود بھی انقلاب پرور ہے چہ جائیکہ اسے بلال کا صوت حسن میسر آ جائے دل خود بخود کھنچتے ہیں اور بیتابیوں میں سجدے بے تاب ہو جاتے ہیں۔

مسٹر جیمیر نے لکھا تھا کہ

''مؤذن کی آواز جو سادہ مگر نہایت متین و دلکش ہوتی ہے۔ اگرچہ دن کے وقت شہر کے شور و غل میں بھی مسجد کی بلندی سے دلچسپ اور خوش آئند معلوم ہوتی ہے لیکن رات کے سناٹے میں اس کا اثر اور بھی عجیب طور سے شاعرانہ معلوم ہوتا ہے یہاں تک کہ بہت سے اہل یورپ بھی پیغمبر ﷺ کو اس امر پر مبارک باد دیے بغیر نہیں رہ سکتے کہ اس نے انسان کی آواز کو موسائیاں کی ترہی اور عیسائیوں کے گرجا کے گھنٹے پر ترجیح دی۔۔۔۔۔!!''

اس میں شک نہیں کہ قدس، کعبہ اور مدینۃ الرسول ﷺ کی پاکیزہ فضاؤں کو سب سے پہلے اذان کی روح پرور آواز سے جس ہستی نے مرتعش کیا اور ان مقامات کی نسیم ہائے قدس میں شوق و مستی کی خوشبوئیں

انڈیلیں وہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ تھے اور آپ کا مؤذن ہونا بذات خود بڑی عظمت کی بات ہے لیکن اس سے بھی زیادہ قابل توجہ بات یہ کہ بلال معمار وقت تھے

نقیب وقت تھے
محافظ وقت تھے
پاسبان وقت تھے
آشنائے وقت تھے

چونکہ اوقات کی معرفت سب سے زیادہ آپ کو حاصل تھی، اس لیے وہ معلن وقت ٹھہرے۔ اگر یہ سچ ہے کہ دنیا کی قیمتی ترین دولت وقت ہوتی ہے تو پھر اس لحاظ سے متمول ترین شخص وقت کا قدردان ہوتا ہے اس اعتبار سے یوں کہا جاسکتا ہے کہ

بلال مسکین وفقیر نہیں
غنی وعظیم تھے اس لیے
کہ کائنات کا قیمتی ترین
سرمایۂ وقت ہر دم اور
ہمہ وقت ان کی نگاہوں کے
سامنے رہتا تھا

میں تو یوں کہوں گا کہ بلال رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے صحابہ کی گھڑی

تھے جن کی زبان حق
سے نکلنے والے سرمدی ترانے کو
سن کر ہی وہ اللہ کے سامنے جھکتے تھے

فتح مکہ کے موقع پر کعبہ کی چھت سے افق تاریخ نے جس عظیم ہستی کی زبان نور سے اذان کی گونج سنی وہ بھی حضرت بلال بن رباح رضی اللہ عنہ تھے۔

تمام غزوات میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ساتھ رہے۔ بدر میں آٹا گوندھ رہے تھے کہ نظر امیہ بن خلف جا پڑی۔ بجلی کی طرح اٹھے اور تلوار لے کر یکا یک امیہ پر حملہ کر دیا، حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ نے ہر چند پکارا کہ اسے میں نے پناہ دے دی ہے لیکن آپ نے فرمایا۔

راس الکفر،
امیہ بن خلف۔۔۔۔۔
لانجوت۔۔۔ان نجا

کفر کا سرغنہ امیہ بن خلف ہے
اگر کوئی چھوڑے بھی تو میں اسے نہیں چھوڑ سکتا

تھوڑی ہی دیر بعد تاریخ بلال رضی اللہ عنہ کو تپتی ریت پر گھسیٹنے والے امیہ بن خلف کا خون تلواروں سے ٹپکتے دیکھ رہی تھی۔

رسول اکرم ﷺ جب رفیق اعلیٰ سے جا ملے تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی

اے اللہ کے رسول ﷺ کے نائب!
میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا
مومن کا افضل عمل اللہ کی راہ میں جہاد ہے۔۔۔۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''بلال تم کیا چاہتے ہو''؟

''میں اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے نکلنا چاہتا ہوں یہاں تک کہ مجھے موت آئے، بلال رضی اللہ عنہ نے فرمایا صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''ہمارا موذن کون ہوگا''۔

بلال رضی اللہ عنہ کا پیمانۂ صبر چھلک گیا۔ آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور فرمایا حضور ﷺ کے بعد کسی کے لیے بھی اذان نہیں کہہ سکتا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اصرار فرمایا اور کہا:

میں نہیں جانے دوں گا

حضرت بلال رضی اللہ عنہ فرمانے لگے:

''اگر تم نے مجھے اپنے لیے آزاد کروایا تھا تو روک لو لیکن اگر اللہ کی رضا کے لیے یہ کام کیا تھا تو مجھے جانے دو میں رک نہیں سکتا''۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ شام چلے گئے اور مرابط و مجاہد کی حیثیت سے شام ہی میں رہے۔۔۔

رسول اکرم ﷺ عیدین کے لیے تشریف لے جاتے تو بلال رضی اللہ عنہ آگے آگے چلتے۔ آپ کے آگے آگے چلنے کا یہ جمالیاتی منظر کون بھول سکتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک بار آپ سے پوچھا بلال رضی اللہ عنہ تم کیا کرتے ہو کہ میں جنت میں تمہارے جوتوں کی آہٹ اپنے سامنے محسوس کر رہا تھا آپ نے فرمایا:

''ہر طہارت کے بعد نماز ادا کرنا''۔

عشق رسول ﷺ کی روشنیوں میں دین حق کا طالب جب بھی خدام رسول اللہ ﷺ کو دیکھے گا بلال رضی اللہ عنہ آگے آگے نظر آئیں گے۔

محبت کی یہ بھی ایک ادا تھی کہ جو کچھ کھانے کے لیے ملتا پہلے جان دو عالم ﷺ کو پیش فرماتے ایک موقع پر کھجوریں پیش کیں تو آپ ﷺ نے پوچھا:

''بلال! یہ کہاں سے۔۔۔۔۔؟''

آپ نے فرمایا۔۔۔۔

یا رسول اللہ ﷺ!

''میرے پاس جو کھجوریں تھیں وہ خراب تھیں اس لیے میں نے وہ دو صاع دے کر ایک صاع اس لیے لے لیں کہ آپ کو پیش کروں''۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

افسوس۔۔۔۔!!

بلال رضی اللہ عنہ!

''یہ تو سود ہے اگر تمہیں لینی ہی تھیں تو پہلے اپنی کھجوریں فروخت کرتے پھر جو معاوضہ ملتا ان سے یہ کھجور خرید لیتے''۔

رسالت مآب ﷺ کی طویل صحبت نے مزاج اس قدر لطیف بنا دیا کہ سچائی ملکہ راسخہ ہوگئی۔ ایک مرتبہ آپ کے بھائی نے ایک عربی خاتون کو پیغام نکاح دیا۔

خاندان والوں نے کہا کہ اگر بلال رضی اللہ عنہ تمہارے عرب ہونے کی تصدیق کر دیں تو شادی ممکن ہو سکتی ہے۔

آپ سے پوچھا گیا۔۔۔
آپ فرمانے لگے
بھائیو۔۔۔۔!!

میں بلال رباح کا بیٹا ہوں یہ میرا سگا بھائی ہے
دین میں اونچا آدمی ہے
چاہو تو شادی کرو ورنہ انکار کر دو

آپ خود فرمایا کرتے تھے کہ میری اذان جس طرح لوگوں کے ذہن اور دل میں گونجتی ہے رسول اللہ ﷺ کے یہ الفاظ ہمیشہ میرے دل میں گونجتے رہیں گے۔

بلال!
''فقیر ہو کر مرنا نہ کہ غنی''

یا رسول اللہ ﷺ یہ کیسے ممکن ہوگا۔ بلال رضی اللہ عنہ نے فرمایا

آپ ﷺ ارشاد فرمانے لگے
جو رزق ملے اسے چھپا کر نہ رکھنا
اور جو کچھ تم سے مانگا جائے
اسے روک کر نہ رکھنا

عرض کی یا رسول اللہ ﷺ یہ کیسے ممکن ہوگا؟

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''یہ چیز ہوگی یا پھر آگ''

اللہ اکبر!
جو اٹھتا ہے وہ دیتا ہے
اللہ اکبر!

بقیہ صفحہ نمبر 40 پر

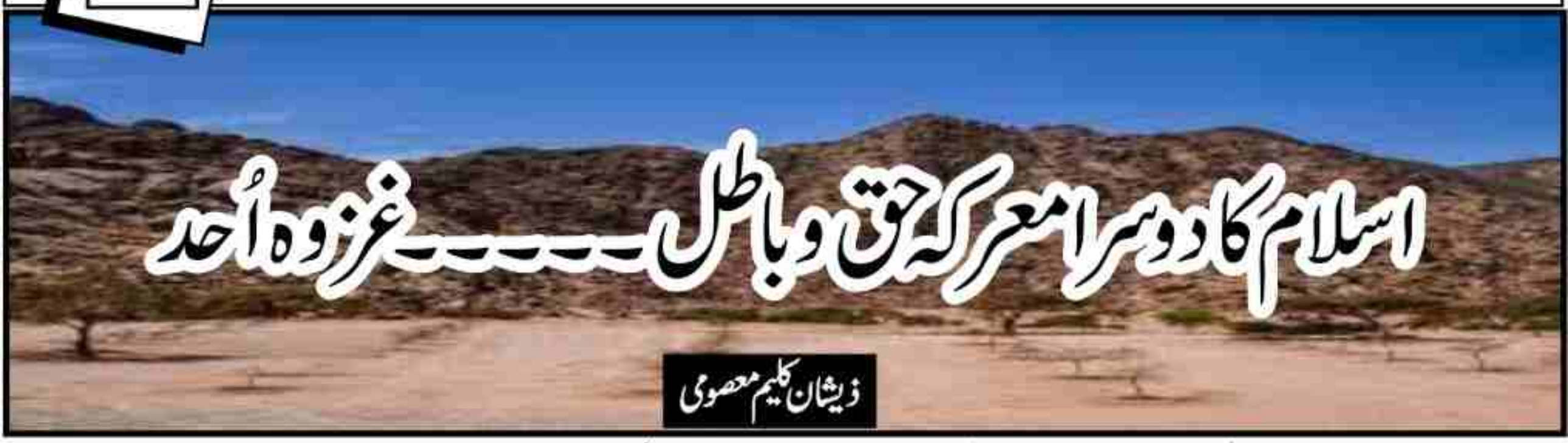

اسلام کا دوسرا معرکہ حق و باطل ـــــــ غزوہ اُحد

ذیشان کلیم معصومی

اسلامی تاریخ میں غزوہ اُحد حق و باطل کا دوسرا معرکہ ہونے کے لحاظ سے بڑی اہمیت کا حامل ہے یہ غزوہ 3 ہجری میں واقع ہوا اس کی تاریخ کے بارے میں مختلف روایات ملتی ہیں ۔ کچھ کے نزدیک یہ واقعہ 3 شوال ، کچھ 7 اور بعض 11 اور کچھ 15 شوال کو پیش آیا البتہ اس کے دن پر سب متفق ہیں کہ یہ ہفتہ کے روز ہوا تھا۔ اُحد مدینہ منورہ کے ایک پہاڑ کا نام ہے جس کے بارے میں اللہ کے نبی کریم ﷺ آقائے کائنات کا ارشاد گرامی ہے کہ اُحد وہ پہاڑ ہے جو ہم سے محبت کرتا ہے اور اس اُحد پہاڑ سے محبت کرتے ہیں۔ غزوہ اُحد اسی پہاڑی کے دامن میں واقع ہوا مسلمانوں کے اس قافلہ کی تعداد 700 تھی جس میں زرہ پوش صحابہ کرام 100 تھے اور ادھر قریش کا لشکر تین ہزار کی کثیر تعداد پر مشتمل تھا جن میں سات سو 700 افراد زرہ پوش تھے۔ اس معرکہ حق و صداقت میں جام شہادت نوش کرنے والے خوش نصیب صحابہ کرام کی تعداد ستر 70 تھی جبکہ کفر کے 30 افراد واصل جہنم ہوئے ۔ حق و باطل کے اس دوسرے بڑے معرکہ میں عرب کے رواج کے مطابق پہلے مبارزت ہوئی جس میں اہل اسلام کا پلہ بھاری رہا بعد ازاں عام جنگ شروع ہوئی تو حضرت حمزہ، حضرت علی، حضرت ابو دجانہ اور حضرت حنظلہ کے تابڑ توڑ حملوں سے کفار کا لشکر بھاگ گیا جنگ شروع ہونے سے قبل اللہ کے رسول کریم ﷺ نے حضرت سعید بن جبیر کی قیادت میں پچاس تیر اندازوں کا ایک دستہ پہاڑی درے پر متعین فرمایا اور انہیں یہ حکم دیا کہ وہ کسی صورت میں بھی درہ نہ چھوڑیں۔ جب کفار کو انہوں نے بھاگتے دیکھا تو مال غنیمت حاصل کرنے کے لیے یہ بھی دوڑ پڑے حضرت سعید ان کو روکتے رہ گئے اور کفار کے لشکر نے جب یہی درہ خالی دیکھا تو حضرت خالد بن ولید کی قیادت میں یہاں سے مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ پیچھے سے ہونے والے اس ناگہانی حملے میں بہت سے مسلمان شہید ہو گئے جن میں سرکار دو عالم ﷺ کے پیارے چچا سیدنا حضرت امیر حمزہ بھی شامل تھے۔ یہ وقت مسلمانوں پر بہت کڑا تھا، ایسا لگا کہ کفار کو فتح مل گئی ہے۔ اس صورتحال میں سرکار ﷺ کو کچھ جاں نثاروں نے گھیرے میں لے لیا اور مسلمانوں کو اکٹھا کرنا شروع کر دیا مگر اتنی دیر میں ستر صحابہ کرام شہادت کا جام پی چکے تھے۔ جب مسلمانوں کو اکٹھا ہوتے ہوئے دیکھا تو ابوسفیان نے وہیں سے آواز لگائی کہ آج بدر کا حساب برابر ہو گیا ہے اب اگلے سال پھر بدر کے مقام پر لڑائی ہوگی اور یہ کفار مکہ واپس اپنے گھروں کو چلے گئے ۔ اس معرکہ میں بہت سے ایمان افروز واقعات پیش آئے ۔ حضرت حنظلہ اس معرکہ میں باطل پرستوں سے اپنے ایمانی جذبے سے مقابلہ کرتے ہوئے قریش کے وسط لشکر میں جا پہنچے اور قریش کے سردار ابوسفیان کا کام تمام کرنے ہی والے تھے کہ پیچھے سے ان پر شداد نامی بد بخت نے وار کر دیا اور آپ شہادت عظمیٰ سے سرفراز ہوئے ۔ جب میدان جنگ تھم گیا تو اللہ کے محبوب کریم ﷺ نے آپ کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ حنظلہ کو فرشتے غسل دے رہے ہیں کیونکہ جب جنگ کے لیے میرا حکم سنایا گیا کہ جو جس حالت میں بھی فوراً اللہ کے رسول اللہ ﷺ کا حکم ہے بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں پہنچے تو حضرت حنظلہ اپنی بیوی سے حق زوجیت ادا کر رہے تھے جیسے ہی اپنے آقا کریم ﷺ کا حکم سنا بغیر غسل کئے بارگاہ رسول ﷺ میں حاضر ہو گئے اور وہاں سے جنگ لڑتے لڑتے شہادت کا جام نوش فرمایا اسی وجہ سے آپ کو غسیل ملائکہ کا لقب عطا ہوا اہل اسلام کا پرچم سیدنا حضرت مصعب بن عمیر کے ہاتھ میں تھا ایک بد بخت نے دوبارہ ضرب لگائی آپ کا دوسرا ہاتھ مبارک بھی جدا ہو گیا لیکن آپ نے پرچم اسلام کو اپنے سینے سے تھامے رکھا اور بلند آواز میں آیت مبارکہ پڑھی کہ وما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل پھر آپ پر تیر سے وار کیا گیا اور آپ نے بھی شہادت کا اعلیٰ جام نوش فرما لیا۔ جب منافقوں نے حضور پاک ﷺ کے شہید ہونے کی جھوٹی افواہ پھیلا دی تو ایک انصاری صحابیہ مدینہ پاک سے اُحد کی طرف نکل پڑیں جب راستے میں ان کے والد شہید ہونے کی ان کو خبر ملی تو انہوں نے یہی کہا مجھے اپنے رسول کریم کی خبر لینی ہے کہ وہ کس حالت میں ہیں؟ اور جب ان کو بتایا گیا کہ رسول خدا ﷺ خیر و عافیت سے ہیں تو عرض کرنے لگیں کہ مجھے حبیب کریم ﷺ کا دیدار کرنے دو جب حضور پاک ﷺ کا دیدار نصیب ہوا تو ان کو سکون ہوا اور عرض کیا اے میرے پیارے رسول ﷺ ! آپ سلامت ہیں تو ہر مصیبت آسان ہے۔ اسی غزوہ اُحد میں حضرت قتادہ بن نعمان کی آنکھ مبارک میں تیر لگا اور آپ کی آنکھ کا ڈیلا باہر آ گیا۔ حضرت قتادہ اپنی آنکھ ہاتھ میں اٹھائے بارگاہ کونین ﷺ میں حاضر خدمت ہوئے اور احوال عرض خدمت کیا، اللہ کے رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا "اے قتادہ اگر تم چاہو تو صبر کر لو جنت تمہارے لیے ہے اور اگر تم چاہو تو آنکھ لوٹا دوں گا"۔ حضرت قتادہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ یقیناً جنت بڑی جزا اور عظیم عطائے الٰہی ہے یا رسول اللہ ﷺ ایسا بھی تو ہو سکتا ہے کہ آپ جنت بھی عطا فرما دیں اور آنکھ بھی لوٹا دیں ۔ اللہ کے رسول کریم ﷺ نے فرمایا ٹھیک ہے ، آپ نے اپنے دست رحمت سے ان کی آنکھ کو پہلے والی جگہ پر رکھ کر لگا دیا اور اس آنکھ کی روشنی دوسری آنکھ سے زیادہ ہو گئی۔ پھر آپ نے ان کے لیے جنت کی دعا بھی فرمائی۔ معلوم ہوا صحابہ کرام کا یہ عقیدہ تھا کہ نبی کریم اگر چاہیں تو جس کو دنیا میں جنت عطا فرما دیں اور جس کو چاہیں آنکھ نکلی ہوئی ٹھیک کر دیں اور آج صدیوں بعد بھی عاشقان رسول کا یہی صحابہ کرام والا عقیدہ ہے کہ وہ اللہ کے رسول سے مانگتے ہیں اور حضور

اپنے غلاموں کو اللہ کی عطا سے نوازتے ہیں اور امداد فرماتے ہیں ۔ حضرت قتادہ کی کبر سنی میں بھی اس لگائی ہوئی آنکھ میں دوسری اصلی آنکھ کی بدولت قوت بصارت اور حسن جمال زیادہ تھی ۔ اسی معرکہ اُحد میں جب حضرت عبداللہ بن جحش کی تلوار ٹوٹ گئی تو آپ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! میری تلوار ٹوٹ گئی تو اللہ کے محبوب کریم ﷺ نے انہیں کھجور کی چھڑی عطا فرمائی جب انہوں نے یہ کھجور کی چھڑی اپنے ہاتھ میں لی تو فوراً ہی تلوار بن گئی ۔ اللہ شہدائے اُحد کے صدقے امت مسلمہ کو اتحاد و اتفاق عطا فرمائے اور ہماری اجتماعی انفرادی مشکلات کو آسان فرمائے اور ان کے درجات کو مزید بلند فرمائے آمین ۔

بقیہ: تبصرہ و تذکرہ

حوالہ جات

(520) تفسیر الحسنات: سیدی ابوالحسنات
(521) الجامع الصحیح البخاری کتاب الجہاد باب: غزوۂ احد
(522) تفسیر الحسنات: سیدابوالحسنات
(523) سبل والھدیٰ: علامہ شامی ایضاً طبری ایضاً حسنات ایضاً سیرت ابن ہشام
(524) تفسیر مظہری: پانی پتی
(525) البحر المحیط: ابوحیان اندلسی
(526) معالم التنزیل: بغوی ایضاً روح البیان
(527) تاج العروس: زبیدی حنفی
(528) تفسیر کبیر: فخر الدین رازی
(529) تفسیر کبیر: فخر الدین رازی
(530) تفسیر کبیر: فخر الدین رازی

بقیہ: درس حدیث

مگر سیدہ پاک علیہا السلام اپنے بابا، محبوب بابا ﷺ کو اس تکلیف میں دیکھ کر بھی عزم و استقلال اور حوصلہ و صبر کے ساتھ اپنے بابا کی خدمت میں سرگرم ہیں اور اپنے شوہر و تاجدار کی معاون و مددگار بھی ہیں ۔ مولا علی پاک علیہ السلام پانی ڈال رہے ہیں اور سیدہ پاک انتہائی توجہ سے زخموں کو دھو رہی ہیں ۔ ساتھ ساتھ گہرا مشاہدہ بھی ہے کہ پانی ڈالنے سے خون کے بہاؤ میں تیزی آ رہی ہے تو فوری اور بروقت فیصلہ کیا کہ ایک چٹائی کو جلا کر اُس کی راکھ کو زخموں کو بھر دیا گیا۔ جہاد میں عملی شرکت کرتے ہوئے بھی ملکہ عصمت و حیا نے پردہ داری کا پورا خیال رکھا۔

دُنیا والو دیکھ لو!

سیدہ پاک علیہا السلام کی شجاعت کے آئینہ میں

سیدہ زینب پاک علیہا السلام کا دربارِ یزید میں خطبہ

سیدہ پاک علیہا السلام کے تدبر و حکمت کے جھروکوں میں

امام حسن پاک علیہ السلام کی دانش مندی و فراست

سیدہ پاک علیہا السلام کے صبر و استقامت کے

پردوں امام حسین پاک علیہ السلام کا عزم و استقلال

سیدہ پاک علیہا السلام کے جہاد کی روشنی میں کربلا

والوں کا شوقِ جہاد

رسول اعظم کی پیاری دختر شہید اعظم کی پاک مادر

جنابِ شیرِ خدا کی زوجہ جناں کی ملکہ جنابِ زہرہ

سراپا رحمت سراپا راحت سراپا عفت سراپا عصمت

رسولِ اکرم کے دل کی ٹھنڈک بتول و عذرا جناب زہرہ

ہے غیر ممکن کہ ان کے در سے کوئی سوالی بھی آئے خالی

قسیمِ جنت قسیمِ کوثر قسیمِ دنیا جنابِ زہرہ

فدا ہے صائم غلام ان پر درود ان پر سلام ان پر

ہیں میرا دونوں جہان وللہ فقط سہارا جنابِ زہرہ

بقیہ: ”اللہ کی یاد اور ذکر“

ذکر سے آگے صرف اللہ ہے۔۔۔۔

قرآنِ پاک میں اللہ کو یاد کرنے اور ذکر کرنے کی بار بار تلقین کی گئی ہے۔۔۔۔۔

اور اپنے پروردگار کے نام کا ذکر کیجیے اور سب سے الگ ہو کر اسی کے ہو رہیے o

(المزمل 8)

ترجمہ: اور صبح اور شام اپنے رب کے نام کا ذکر کیجئے o اور رات کے کچھ حصہ میں اس کے سامنے سجدہ کیجئے اور رات طویل مل جائے تو اس کی خوب تسبیح کیجئے o

(الدہر 25 تا 26)

پس اپنے رب کی تعریف کے ساتھ تسبیح کیجیے اور سجدہ کرنے والوں ہی میں رہیے o

(الحجر 98)

اور اللہ کی قوت کو بصورت ذکر تسلیم کرو جب تم شام کرو اور جس وقت تم صبح کرو o

(الروم 17)

نہیں ہے سوائے اس کے ہماری آیتوں پر وہی ایمان لاتے ہیں جنہیں نصیحت کی جائے تو سجدے میں گر جاتے ہیں اور اپنے رب کی تعریف کرتے ہوئے اس کی قوت کا اعتراف کرتے ہیں اور وہ تکبر نہیں کرتے o

(السجدہ 15)

تو اپنے عظمت والے رب کے نام کی تسبیح کرو o (الواقعہ 74)

تو آپ اپنے رب کی تعریف کے ساتھ تسبیح کریں اور اس سے استغفار کریں بے شک وہ بڑا ہی رجوع رحمت فرمانے والا ہے o

(النصر 3)

تو خوب ذکر کرو میرا، میں بھی تمہیں یاد میں رکھوں گا اور شکر ادا کیا کرو میرا اور کبھی بھی کفر نہ کرنا o (البقرۃ 152)

وہ لوگ جو ایمان لائے اور اللہ کے ذکر سے ان کے دل مطمئن ہوتے ہیں خبردار اللہ کے ذکر سے ہی دلوں کو اطمینان ہوتا ہے o

(الرعد 28)

اے ایمان لانے والو! بہت ہی زیادہ کثرت کے ساتھ اللہ کا ذکر کرو o

(الاحزاب 41)

تاکہ اس میں ہم انہیں آزمائیں اور جو اپنے رب کے ذکر سے اعراض برتے گا تو اللہ اُسے مشکل ترین عذاب میں داخل فرمائے گا o (الجن 17)

اور جو شخص رحمن کے ذکر سے دانستہ غفلت برتتا ہے ہم اسے چھوڑ دیتے ہیں اور ایک شیطان اس کا ساتھی بن کر اسے ہر طرف سے گھیر کر رکھتا ہے o (الزخرف 36)

کیا ایسا شخص جس کا سینہ اللہ نے اسلام کے لیے کھول دیا اور وہ اپنے رب کی طرف سے نور پر ہو اس جیسا ہو سکے گا جس کا دل سخت ہے سو ہلاکت ہے ان لوگوں کیلئے جن کے دل اللہ کی یاد سے غفلت میں سخت ہو گئے ایسے لوگ کھلی گمراہی میں ہیں o

(الزمر 22)

اور جس نے میرے قرآن سے اعراض برتا تو بے شک اس کی معیشت تنگ ہو گی اور ہم بروز قیامت اسے اندھا اٹھائیں گے o

(طٰہٰ 124)

میں دل کا جام شکستہ لاؤں کہ روح کی کرچیاں دکھاؤں
میں کس زباں سے تمہیں سناؤں جو مجھ پر احساں ہیں شیشہ گر کے

سید ریاض حسین شاہ

یہ ایک ویران سے دیہات کی بات ہے جو تمدنی اور عمرانی روشنیوں سے دور بہت دور بے چارگیوں کے کھنڈرات میں جی رہا تھا۔ سڑک سے دُور، ریلوے سے دُور، شفاخانوں سے دور، مدرسوں سے دور یہاں تک کہ مسجد سے دور اور مندر سے بھی دور۔ وہاں کے رہنے والوں کو اُجالوں کی بھوک ستاتی تو مٹی کے دیئے روشن کرتے، سکون کی پیاس تڑپاتی تو کسی شجر سایہ دار کے نیچے جا بیٹھتے ہاں یہ ضرور تھا کہ وہاں کے رہنے والے انسانوں کے دلوں میں چاہت کے چراغ روشن تھے، لگن کے ساز بجتے تھے، محبت کی چناہیں بہتی رہتیں اور خیالوں کی ہوائیں فضاؤں میں رینگتی رہتیں۔ میری مراد وادی تناول کا ایک پسماندہ گاؤں ''کڑم'' ہے۔۔۔۔۔ سید سلیم شاہ صاحب نامی کوئی بزرگ کسی زمانے میں وہاں جا بیٹھے تھے جن کے دم قدم سے وہ لوگ اسلام کے بام نور تک پہنچنے کے قابل ہوئے تھے، وگرنہ اب تو جہالت کی فضا سوز ہواؤں کے سوا وہاں کچھ بھی نہیں ملتا تھا۔ حضرت لالہ جی کا ایک مرتبہ وہاں سے گذر ہو گیا۔ ایک بے دین سے پہاڑیئے نے نہایت کرخت لہجے میں آپ سے گفتگو کی۔ لالہ جی کے رفیق سفر کی رگیں غصے سے تن گئیں، حضرت سمجھ گئے۔ آپ مسکرائے الفاظ آپ کی زبان سے یوں ادا ہونے لگے جیسے سنگر ہال کی پتیاں کسی خوبصورت صحن میں سرسرا رہی ہوں۔

آپ فرمانے لگے کچھ تبلیغی جماعت کے لوگ سر بازار مجھ سے ملے ابھی وہ اور میں محو گفتگو ہی تھے کہ ایک بدسیرت، داڑھی منڈا اور بدنام زمانہ سا نوجوان بھی مجھ سے آ کر ملا میں نے اسے دل سے لگا لیا۔ ایک تبلیغی ساتھی نے مجھے اس طرح دیکھا کہ پیشانی پہ شکنیں تھیں اور آنکھیں تکبر تقویٰ میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ ایسے لگا کہ اس بدمعاش سے میرا اس طرح کھل کر پیش آنا، محبت فرمانا اور چاہنا ناقابل فہم ہے۔۔۔۔ آپ فرمانے لگے میں نے اس سے کہا مجھے تو اس سے محبت ہے، اس لیے کہ اگر ہم اسے نہیں چاہیں گے تو یہ نیک اور صالح کیسے بنے گا۔ نفرت گناہ سے ہونی چاہیے گناہ گار سے نہیں۔ دشمنی مرض سے ہونی چاہیے مریض سے نہیں، فرمانے لگے کہ میری ان باتوں کا اللہ کے فضل سے اس پر یہ اثر ہوا کہ وہ تائب ہوا اور نمونے کا متقی اور صالح مسلمان بن گیا۔۔۔۔ یہ واقعہ سنانے کے بعد اشارۃً فرمانے لگے اللہ تعالیٰ کرم فرمائے گا یہاں کے رہنے والوں میں سے بھی کچھ دل ذکر اللہ کے لیے نرم ہوں گے۔ صحیح یاد نہیں شاید میر زمان نامی ایک شخص آپ کے حلقہ ارادت میں داخل ہوا اور غضب کی جنونی ادائیں کمائیں، تقویٰ اور پرہیز گاری میں مثال بنا اور کشف و اکتشاف کی لطیف باتوں تک رسائی حاصل کی۔ لالہ جی علیہ الرحمۃ بعد کے زمانہ میں ایک مرتبہ ''کڑم'' سے دور ایک پگڈنڈی پر کھڑے ہوئے اور اس گاؤں کی طرف دیکھا اور پھر صبا کی طرح مسکرائے، باتیں شروع فرمائیں۔ انار کلی کی شاخیں ہلکے ہلکے جھومنے لگیں۔ برجستہ آپ کی زبان سے نکلا جب وہ کریم فضل فرماتا ہے تو پتھروں سے بھی زیادہ سخت دل رکھنے والے جاہل بدوؤں کے دل موم سے بھی زیادہ نرم کر دیتا ہے اور جب وہ پسند نہیں کرتا تو ابوجہل قریشی ہو کر بھی سخت دل ہو جاتا ہے۔

آنکھیں آسمان کی طرف اٹھائیں پلکیں جھکیں تو آنسوؤں کے ستارے ٹپکے ہوا کی ایک تیز لہر نے آنسوؤں کو دوش پر اٹھا کر فضا میں بکھیر دیا۔

''کون پونچھے گا ڈھلکتا ہوا آنسو تیرا''

پہاڑی سے اترے اور ایک نیم شکستہ مٹی سے بنے ہوئے گھر پہنچے تو میر زمان بابا ایک مرغ اٹھائے آپ کی خدمت میں حاضر تھا اس کی جھکی جھکی نگاہیں زبان حال سے کہہ رہی تھیں:

میں دل کا جام شکستہ لاؤں
کہ روح کی کرچیاں دکھاؤں
میں کس زباں سے تمہیں سناؤں
جو مجھ پر احساں ہیں شیشہ گر کے

لالہ جی نے اسے مخاطب فرمایا اور کہا میں ''ککڑ پیر'' نہیں، یہ کسی غریب کو دے دو آؤ مل کر کچھ آگے بھیجتے ہیں، باقیات صالحات ہی آخرت کا بہترین سرمایہ ہے۔

لالہ جی علیہ الرحمہ نے فرمایا:

جب وہ کریم فضل فرماتا ہے تو پتھروں سے بھی زیادہ سخت دل رکھنے والے بدوؤں کے دل موم سے بھی زیادہ نرم کر دیتا ہے

تحریک پاکستان کے پرجوش مبلغ۔ ماہر قانون۔ ترجمان پاکستان

حضرت مولانا محمد بخش مسلم بی اے رحمۃ اللہ علیہ

پروفیسر ڈاکٹر محمد صدیق خان قادری

خطیب اسلام حضرت مولانا محمد بخش مسلم برصغیر کے علماء میں ایک بلند قامت عالم دین ماہر قانون، خوش الحان واعظ اور بے مثال خطیب تھے۔ انہوں نے اپنی ساری زندگی ملک وقوم کی فلاح وبہبود، اسلام کی نشاۃ ثانیہ اور اصلاح معاشرہ کے لیے وقف کردی اور ہمیشہ ایک اسلامی فلاحی معاشرہ کے قیام کے لیے کوشاں رہے۔ انہوں نے اپنی مقبولیت کو ملک وقوم کی یک جہتی۔ یگانگت اور اتحاد بین المسلمین کے لیے استعمال کیا اور نیشنلسٹ علماء کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ مولانا مسلم کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ وہ شاعر مشرق حضرت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت قائداعظم محمد علی جناح رحمۃ اللہ علیہ کے جانثار ساتھیوں میں سے تھے۔ انہوں نے مسلم لیگ کے پرجوش مبلغ اور کارکن کی حیثیت سے اسلامیان پاکستان کو دوقومی نظریے کی اہمیت و افادیت سے آگاہ کیا۔ وہ بیک وقت شعلہ نوا اور خوش الحان مقرر کی حیثیت سے پنجاب سمیت برصغیر کے دیگر صوبوں میں بھی یکساں مقبول تھے۔ مولانا محمد بخش مسلم 18 فروری 1888ء کو قدیم لاہور کے ایک محلہ چھتہ بازار میں پیدا ہوئے۔ والد گرامی کا نام میاں پیر بخش تھا۔ قرآن مجید کی ابتدائی تعلیم کے بعد اسلامیہ ہائی سکول شیرانوالہ گیٹ سے میٹرک اور پنجاب یونیورسٹی سے ادیب عالم اور مولوی فاضل کے امتحانات امتیازی حیثیت سے پاس کیے۔ اور 1918ء میں بی اے کیا۔ وہ اس وقت پنجاب کے واحد عالم تھے جنہوں نے بی اے کیا تھا۔

لہٰذا بالالتزام انہیں بی اے لکھا جانے لگا۔ اور پھر یہ ان کے نام کا لاحقہ بن گیا۔ مولانا مسلم نے مولانا محمد ذاکر بگوی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا اصغر علی روحی۔ مولانا غلام مرشد اور دیگر علماء سے دینی تعلیم حاصل کی۔ آپ نے مختلف اوقات میں دارالعلوم حزب الاحناف۔ دارلعلوم نعمانیہ اور دیگر مدارس دینیہ سے اکتساب فیض کیا۔ آپ کے معاصرین میں آپ کے اساتذہ کے علاوہ امام المحدثین مولانا سید محمد دیدار علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ۔ علامہ سید ابوالحسنات قادری رحمۃ اللہ علیہ۔ علامہ سید ابوالبرکات قادری رحمۃ اللہ علیہ۔ مولانا غلام قادر بھیروی رحمۃ اللہ علیہ۔ مولانا غلام محمد ترنم امرتسری رحمۃ اللہ علیہ۔ مولانا نبی بخش حلوائی اور مولانا غلام محمد بگوی رحمۃ اللہ علیہ شامل ہیں۔

آپ براہ راست اعلیٰ حضرت میاں شیر محمد شرق پوری کے مرید خاص اور ان کے فیض یافتہ تھے۔ مولانا مسلم کو کتب بینی کا بڑا شوق تھا۔ اسلامی تاریخ وادب کے علاوہ تفسیر، حدیث اور فقہ پر عبور حاصل تھا۔ فارسی اور عربی میں مہارت کے ساتھ ساتھ انگریزی زبان وادب سے مکمل واقفیت رکھتے تھے۔ انہیں انگریز مورخین۔ مصنفین اور مولفین کے سینکڑوں حوالہ جات ازبر تھے۔ جنہیں وہ اپنی تقریروں میں پوری سلاست اور روانی کے ساتھ بیان کر کے سامعین کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیتے تھے۔ آپ نے 1925ء میں انجمن خدام المسلمین کے تعاون سے مسلم مسجد لوہاری گیٹ کی بنیاد رکھی یہی مسجد بعد میں لاہور میں تحریک پاکستان کا مرکز بنی۔ 1950ء میں اس کی توسیع کی گئی۔ مسجد کا فن تعمیر قابل دید ہے۔ خدا بخش پہلوان مالک نعمت کدہ ہوٹل۔ ظہیر الدین استقلال پریس اور شیخ محمد دین آپ کے خصوصی عقیدت مندوں میں شامل تھے۔ آپ 1929ء میں غازی علم دین شہید کے جنازے میں علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ اور سر محمد شفیع اور دیگر اکابرین کے ہمراہ شریک ہوئے۔ یہ جنازہ علامہ سید ابوالحسنات قادری رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ سید ابوالبرکات قادری رحمۃ اللہ علیہ کے والد گرامی مولانا سید محمد دیدار علی شاہ الوری رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھایا تھا۔

مولانا محمد بخش مسلم نے اپنی سیاسی زندگی کا آغاز تحریک خلافت سے کیا۔ آپ نے اس تحریک میں علی برادران کے ساتھ بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ 1924-25ء میں شدھی کی تحریک میں حصہ لیا اور سینکڑوں غیر مسلموں کو دولت ایمان سے مالامال کیا۔ 1924ء میں مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کی اور اس تحریک میں دیوانہ وار فعال کردار ادا کیا۔ 1926ء میں حضرت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے صوبائی اسمبلی کا الیکشن لڑا تو آپ ان کی انتخابی مہم کے انچارج تھے۔ اس مہم میں لال دین قیصر اور ڈاکٹر محمد دین تاثیر ان کے ساتھ شریک تھے۔

آپ نے مارچ 1940ء میں قرارداد پاکستان کے اجلاس اقبال پارک لاہور میں شرکت کی اور پھر مسلم لیگ کا پیغام ملک کے طول وعرض میں پہنچانے کے لیے سرگرم عمل ہوگئے۔ مسلم لیگ کے لیے مولانا مسلم کی مخلصانہ خدمات کا ذکر معروف مسلم لیگی رہنما میاں فیروز الدین احمد نے حضرت قائداعظم سے کیا تو قائداعظم نے کہا کہ مسلم صاحب کو میرے پاس لاؤ۔ میں ملنا چاہتا ہوں۔ قائداعظم ان دنوں ممدوٹ ولا میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ میاں فیروز الدین احمد نے مولانا مسلم کی ملاقات قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ سے کرائی۔ قائد کے سامنے مولانا مسلم نے دوقومی نظریے کا ثبوت قرآن مجید سے پیش کیا تو قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ بہت خوش

قائداعظم کے سامنے قرآن مجید سے دوقومی نظریے کی وضاحت کی

1925ء میں لوہاری گیٹ میں مسلم مسجد قائم کی اور 60 برس تک خطابت کے فرائض سرانجام دیے

ہوئے اور فرمایا ''ان جیسے علماء یقیناً تحریک پاکستان کی کامیابی کا باعث بنیں گے''۔

آپ نے بنارس میں منعقدہ آل انڈیا سنی کانفرنس میں بھی شرکت کی اور پنجاب کے علماء کی طرف سے مسلم لیگ کی حمایت کا اعلان کیا۔ بارہ سال تک قائداعظم کے حکم کے مطابق بمبئی۔ کلکتہ۔ بنارس اور گاندھی کے وطن کاٹھیاوار میں کام کیا۔ یہاں تک کہ خان عبدالقیوم خان کی درخواست اور قائداعظم کے حکم پر سرحد کا دورہ کیا۔ اور خان عبدالغفار خان کی مخالفت کے باوجود مسلم لیگ کو کامیاب کروایا۔ 1946ء کے عام انتخابات میں برصغیر کے طول وعرض کا دورہ کیا او رمسلم لیگ کے لیے رائے عامہ کو ہموار کیا۔ انگریز حکومت نے بوکھلا کر خان ممدوٹ ۔ میاں ممتاز دولتانہ۔ بیگم شاہ نواز۔ راجہ غضنفر علی خان اور مولانا محمد بخش مسلم کو بھی گرفتار کرلیا اور قیام پاکستان سے کچھ عرصہ پہلے مقدمہ چلائے بغیر رہا کردیا۔

1942ء میں مولانا مسلم حضرت قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ کے حکم پر روزنامہ ''ڈان'' دہلی کے اجراء کے سلسلہ میں چندہ لینے کے لیے کاٹھیاواڑ گئے۔ وہاں کے معروف تاجر طاہر محمود جانو اور علی سیٹھ نے کہا کہ ہمیں پسند نہیں کہ آپ جلسہ میں چندہ مانگیں۔ ہمیں بتائیں کہ ''داراجی'' کے علاقے سے آپ کتنا روپیہ لینا چاہتے ہیں۔ مولانا مسلم نے جواب دیا کہ قائداعظم کی فہرست کے مطابق تین لاکھ ۔ ان جیالوں نے پانچ لاکھ روپیہ پیش کردیا۔ قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ نے صرف تین لاکھ لیا، باقی دو لاکھ انہیں واپس کردیا جسے انہوں نے لینے سے انکار کردیا۔ قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ نے حکم دیا کہ اسے ''داراجی'' کی مسجد فاروقی کو دے دیا جائے۔

1943ء، 1944ء، 1945ء میں مولانا مسلم ایک ایک ماہ کے لیے دھوراجی (کاٹھیاوار) تشریف لے جاتے رہے۔ وہاں کے آباد مسلمانوں کا شمار امیر ترین لوگوں میں ہوتا تھا۔ مولانا مسلم نے انہیں مسلم لیگ میں شامل کرنے اور کراچی میں کاروبار کرنے کے لیے انتھک محنت کی۔ بفضل خدا اسی کا نتیجہ خاطر خواہ نکلا اور یوں مسلم لیگ مضبوط سے مضبوط تر ہوتی چلی گئی۔ مولانا مسلم کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ 14 اگست 1947ء کی رات کو ریڈیو پاکستان سے نشر ہونے والی پہلی تلاوت قرآن پاک انہوں نے کی۔

مارچ 1948ء میں غزالی زماں حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ کی دعوت پر ملک بھر سے جید علماء اور مشائخ کا نمائندہ اجتماع جامعہ انوار العلوم ملتان میں ہوا۔ اسی اجلاس میں جمعیت علمائے پاکستان کا قیام عمل میں لایا گیا۔ علامہ سید ابوالحسنات قادری رحمۃ اللہ علیہ مرکزی صدر، علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ مرکزی ناظم اعلیٰ اور مولانا محمد بخش مسلم کو مرکزی ناظم نشر واشاعت مقرر کیا گیا۔

مولانا محمد بخش مسلم، روزنامہ ''سیاست'' اور ''زمیندار'' اخبار میں کالم نویسی کے ساتھ ساتھ مجلہ امداد باہمی۔ اور پھر 20 سال تک ہفت روزہ ''استقلال'' لاہور کے ایڈیٹر رہے۔ مولانا نے اپنا ذاتی رسالہ بصیرت بھی نکالا جس نے علم وادب اور صحافت کی دنیا میں بڑا نام پایا۔ مولانا نے اس رسالہ کی آمدنی مسلم مسجد کے لیے وقف کررکھی تھی۔ 1975ء سے 1992ء تک پنجاب ٹیکسٹ بورڈ لاہور کی شائع کردہ مختلف درجات کی۔ دینیات کی کتب کے مصنفین میں شامل رہے۔

مولانا مسلم نے مختلف دینی اور سیاسی موضوعات پر 55 کتب تصنیف کیں۔ قابل ذکر تصانیف میں خطبات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۔ ارکان اسلام۔ روزہ کا فلسفہ۔ برہان قرآن۔ ختم رسالت۔ کتاب الاخلاق۔ انسان اور قرآن ۔ جہاد۔ اسلام کا نظام آب پاشی۔ اسلام کا بندوبست اراضی ۔ اقتصادی ڈھانچہ۔ بیت المال۔ مقروض قوم۔ کلام مسلم اسلام اور مساوات۔ قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ اور پاکستان شامل ہیں۔

حکومت پاکستان نے ان کی اعلیٰ خدمات کا اعتراف میں انہیں ستارہ امتیاز دیا۔ میونسپل کارپوریشن لاہور نے انارکلی چوک کا نام ان کے نام پر رکھا۔ 14 اگست 1987ء کو تحریک پاکستان کے کارکن کی حیثیت سے گولڈ میڈل بھی دیا گیا۔

1980ء میں مولانا محمد بخش مسلم کو اسلامی نظریاتی کونسل کا ممبر بنایا گیا۔ اس کونسل میں جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری۔ علامہ سید محمود احمد رضوی۔ علامہ رحمت اللہ ارشد سمیت مختلف مکاتب فکر کے نمائندگان بھی شامل تھے۔

1981ء میں اس وقت کے صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق نے مختلف طبقات فکر سے تعلق رکھنے والے 350 ارکان پر مشتمل وفاقی مجلس شوریٰ قائم کی۔ جس کا مقصد اسلامی جمہوری معاشرے کا قیام بتلایا گیا۔ مولانا محمد بخش مسلم کو اس کونسل کا ممبر نامزد کیا گیا۔ لاہور سے اس کے دیگر ارکان میں مفتی محمد حسین نعیمی رحمۃ اللہ علیہ۔ حکیم علی احمد نیئر واسطی۔ ملتان سے مخدوم محمد سجاد حسین قریشی۔ مخدوم سید یوسف رضا گیلانی۔ اور کراچی سے علامہ عبدالمصطفیٰ الازہری۔ مولانا شاہ تراب الحق قادری کو بھی شامل کیا گیا تھا۔

17 فروری 1987ء (18 جمادی الثانی 1407ء) کو پورے ایک سو سال کی عمر میں آپ کا انتقال ہوا۔ فخر المشائخ حضرت میاں جمیل احمد شرق پوری رحمۃ اللہ علیہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ سابق گورنر پنجاب مخدوم محمد سجاد حسین قریشی سمیت ہزاروں افراد نے نماز جنازہ میں شرکت کی۔ اور آپ کو اپنی تعمیر کردہ مسلم مسجد۔ چوک لوہاری گیٹ لاہور کے جنوب مغربی گوشے کے تہہ خانے میں سپرد خاک کردیا گیا۔

وہ محمد بخش مسلم خوش خصال
تھے خطابت کے مسلم بادشاہ
دین کی خدمت بڑی وہ کر گئے
چھوڑ کر دنیا کو لی جنت کی راہ
صاحب علم وعمل، واعظ، خطیب
عظمت دین مبیں کے پاسباں

❁❁❁

آپ علوم قدیم وجدید کا حسین امتزاج اور لاہور کی مذہبی اور تہذیبی ثقافت کی علامت تھے

سیرت مصطفی ﷺ کی روشنی میں

تجارت اور اصول تجارت

ساتویں قسط

پروفیسر ڈاکٹر محمد اظہر نعیم

خریدوفروخت میں نرمی اور آسانی

کسی بھی چیز کے لین دین میں نرمی کا برتاو، دل کی سچائی اور اپنے بھائی کی خیر خواہی ایسے جوہر ہیں جو رب کریم کی طرف سے برکت کا سبب اور آخرت میں اس کی رحمت کے حصول کا بہترین ذریعہ ہیں سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''اللہ اس شخص پر رحم کرے جو بیچتے وقت اور خریدتے وقت اور تقاضا کرتے وقت نرمی اور فیاضی سے کام لے''

(صحیح بخاری، البیوع: حدیث 1934)

ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''بے شک اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے بیچنے، خریدنے اور قرض کے مطالبہ میں نرمی و آسانی کو''۔

(سنن ترمذی: 1319 بروایت ابوہریرہ)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا تم سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں (یعنی گزشتہ امتوں میں) سے ایک شخص کا واقعہ ہے کہ جب اس کے پاس موت کا فرشتہ اس کی روح قبض کرنے آیا تو اس سے پوچھا گیا کہ

کیا تو نے کوئی نیک کام کیا ہے؟

اس نے کہا

مجھے یاد نہیں ہے کہ میں نے کوئی نیک کام کیا ہو

اس سے پھر کہا گیا کہ اچھی طرح سوچ لے اس نے کہا کہ مجھے قطعاً یاد نہیں آ رہا ہے ہاں اتنا ضرور جانتا ہوں کہ میں دنیا میں جب لوگوں سے خریدوفروخت کے معاملات کیا کرتا تھا تو تقاضہ کہ وقت یعنی مطالبات کی وصولی میں ان پر احسان کیا کرتا تھا بایں طور کہ مستطیع لوگوں کو تو مہلت دے دیتا تھا اور جو نادار ہوتے ان کو معاف کر دیتا تھا (یعنی اپنے مطالبات کا کوئی حصہ یا پورا مطالبہ ان کے لئے معاف کر دیتا تھا) چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کے اسی عمل سے خوش ہو کر اس کو جنت میں داخل کر دیا۔ (بخاری و مسلم) اور مسلم کی ایک اور روایت میں جو عقبہ بن عامر اور ابو مسعود انصاری نے اسی کے مثل (یعنی کچھ الفاظ کی کمی بیشی کے ساتھ) نقل کی ہے یہ الفاظ ہیں کہ جب اس شخص نے اپنا یہ عمل بیان کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں اس کا یعنی معاف کرنے کا حق تجھ سے زیادہ رکھتا ہیں اور فرشتوں سے سے کہا میرے اس بندے سے درگزر کرو۔

(شرح سنن ابن ماجہ جلد سوم:2203)

ایک اور روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے جنت میں داخل کر دیا اس شخص کو جو بیچنے اور خریدنے میں نرمی کا معاملہ کیا کرتا تھا''۔

(سنن ابن ماجہ: رقم 2202)

اسلام میں نرمی اور خوش خلقی کا رویہ اختیار کرنے کی تو عمومی تعلیم دی گئی ہے لیکن تجارت کے شعبے میں اسے خصوصاً پسند کیا گیا ہے۔ حقیقتاً یہ ایک ایسی پالیسی ہے جس کے ذریعہ ایک تاجر بہت کم وقفہ میں گاہکوں میں اپنی ساکھ قائم کرسکتا ہے اور اس کی تجارت چمک سکتی ہے۔ اس طرح تجارت میں اس سنت کو اپنانے سے دنیوی اور اخروی دونوں فوائد ہیں۔ یہاں یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ خوش اخلاقی سے پیش آنا تو سمجھ میں آتا ہے اس کا یہ معنی بھی لیا جاسکتا ہے کہ مناسب قیمت وصول کریں منافع کے لالچ میں پڑ کر گاہک کی کھال مت اتاریے۔

ایک پہلو یہ بھی ہے کہ اگر گاہک کسی وجہ سے خریدا ہو مال واپس کرنا چاہے تو دکاندار کو خوش دلی سے واپس لینا چاہیے۔ اس ضمن میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ

'' جس (دکاندار) نے بھی اپنے مسلمان گاہک سے (اس کی خریدی ہوئی چیز، اس کی مجبوری پر اس سے درگزر کرتے ہوئے) واپس لے لی (اور اسے اس کی پوری قیمت دے دی) تو اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس کی خطاؤں کو معاف فرما دیں گے''۔

(سنن أبي داوود، كِتَاب الْبُيُوعِ، أَبْوَابُ الْإِجَارَةِ حدیث رقم:3053)

ہمارے یہاں اکثر دکانوں پر اور رسیدوں پر لکھا ہوتا ہے۔ کہ فروخت شدہ سامان واپس نہیں کیا جائے گا۔ جبکہ پورے مغربی ممالک اور ترقی یافتہ ممالک میں ہر رسید کے نیچے لکھا ہوتا ہے کہ آپ یہ سامان ایک ہفتے تک واپس کرسکتے ہیں یا تبدیل کر سکتے ہیں۔

خریدار بیچنے والے کے درمیان بسا اوقات

اختلاف ونزاع کی صورت پیدا ہو جاتی ہے کبھی تو یہ اختلاف قیمت کے تعین کے سلسلہ میں پیدا ہوتا ہے کہ خریدار کہتا ہے میں نے تم سے اس چیز کا معاملہ دس روپے میں طے کیا اور بیچنے والا کہتا ہے کہ نہیں میں نے یہ چیز بارہ روپے میں فروخت کی ہے شرط خیار یا تعین مدت میں اختلاف ہو جاتا ہے اور کبھی ان کے علاوہ دیگر شروط میں نزاع کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ ایسے ہی مواقع کے لئے حدیث نے واضح ہدایات کی ہے کہ ان صورت میں بیچنے والے کا قول معتبر ہوگا۔ بشرطیکہ اس کا قول قسم کے ساتھ ہو یعنی اس سے کہا جائے گا کہ تم قسم کھاؤ کہ تم نے یہ چیز اس قیمت پر نہیں بیچی ہے جو خریدار بتا رہا ہے پھر خریدار کو اختیار ہوگا کہ چاہے تو بیچنے والے کی اس بات پر راضی ہو جائے جو اس نے قسم کھا کر کہی ہے اور بیع کو برقرار رکھے اور چاہے وہ بھی قسم کھائے اور کہے کہ میں نے یہ چیز اس قیمت پر نہیں خریدی ہے جو بیچنے والا بتا رہا ہے اور جب دونوں اپنی اپنی بات پر قسم کھائیں گے تو ان کا معاملہ اسی صورت میں باقی رہے گا جب کہ ان میں سے کوئی بھی ایک دوسرے کی بات تسلیم کر لے گا اگر ان میں سے کوئی بھی اپنے دوسرے فریق کی بات کو تسلیم کرنے پر تیار نہیں ہوگا تو پھر آخری درجہ پر قاضی وحاکم کو اختیار ہوگا کہ وہ اس بیع ومعاملہ کو فسخ کرا دے خواہ بیع فروخت شدہ چیز بعینہ باقی ہو یا بعینہ باقی نہ جیسا کہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک ہے لیکن حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ یہ کہتے ہیں کہ اگر مبیع باقی نہ ہو تو پھر دونوں فریق قسم نہ کھائیں بلکہ اس صورت میں خریدار کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا۔ حدیث کے الفاظ المبیع قائم ان دونوں کے قول کی تائید کرتے ہیں چنانچہ دوسری روایت جیسے ابن ماجہ اور دارمی نے نقل کیا ہے کہ الفاظ (فالقول ما قال البائع) (تو اس صورت میں بیچنے والے کا قول معتبر ہوگا) کا مطلب بھی حنفی مسلک کے مطابق یہ ہی ہے کہ اگر مبیع بعینہ باقی ہو تو بیچنے والے سے قسم کھلائی جائے اگر وہ قسم کھالے تو خریدار کو اختیار ہوگا کہ چاہے تو بیچنے والے کی بات کو تسلیم کر دے اور چاہیے خود بھی قسم کھائے یا یا پھر دونوں فریق بیع کو فسخ کر دیں اور اگر اختلاف ونزاع کے وقت مبیع بعینہ باقی نہ ہو تو پھر دونوں فریقین قسم نہ کھائیں بلکہ اس صورت میں خریدار کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا۔ بیچنے والے سے قسم نہ کھلائی جائے۔

(شرح سنن ابن ماجہ، بابت حدیث 2186)

اصحاب اکبار خرید وفروخت میں بھی اختلاف رائے کے وقت فرامین نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کرتے تھے اور یہی ایمان کا تقاضا بھی ہے۔ حضرت قاسم بن عبدالرحمٰن رحمہ اللہ اپنے والد (حضرت عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن مسعود) سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے سرکاری غلاموں میں سے ایک غلام حضرت اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ کے ہاتھ فروخت کیا۔ بعد میں ان کا آپس میں اختلاف ہو گیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے آپ کو (وہ غلام) بیس ہزار کا فروخت کیا تھا۔

حضرت اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے آپ سے دس ہزار کا خریدا تھا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر آپ چاہیں تو میں آپ کو ایک حدیث سناؤں جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنی تھی۔ انہوں نے کہا: سنا دیجیے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ فرما رہے تھے:

"جب بیچنے والے اور خریدنے والے میں اختلاف ہو جائے اور ان میں سے کسی کے پاس گواہ نہ ہو، اور بیع شدہ چیز بعینہ موجود ہو تو بیچنے والے کا قول تسلیم کیا جائے گا (اور بیع قائم رہے گی) یا وہ دونوں بیع کو فسخ کر دیں گے۔"

اشعث رضی اللہ عنہ نے کہا: میرا خیال ہے کہ میں یہ سودا فسخ کر دوں، چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیع فسخ کر کے غلام واپس لے لیا۔

(سنن ابن ماجہ: 2186)

بدقسمتی کی بات یہ ہے کہ وہ احادیث جو حقوق العباد سے تعلق رکھتی ہیں اور ہماری زندگیوں کو آسان اور قابل رشک بنا سکتی ہیں۔ ہم ان پر توجہ ہی نہیں دیتے۔

آزادانہ تجارت

داخلی اور بین الاقوامی تجارت کی نشوونما اور مقابلے کے رجحان میں اضافہ کیلئے ضروری ہے کہ کسی قسم کی رکاوٹ نہ ہو۔ اندرون ملک حکومت وقت آزادانہ تجارت کے لئے راہ ہموار کرے اور کسی قسم کی قدغن نہ لگائے نبی کریم ﷺ سے جب عرض کیا گیا کہ

"آپ ﷺ اشیاء کی قیمتیں مقرر کر دیں تا کہ تاجر حضرات قیمتوں میں من مانی نہ کر سکیں"۔

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

"میں دعا کروں گا"

کسی دوسرے فرد نے بھی یہی سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

"نشیب وفراز اللہ کے دست قدرت میں ہے میں امید کرتا ہوں کہ میں اللہ تعالیٰ سے ملاقات کروں گا کہ میں نے کسی پر زیادتی نہ کی ہوگی"۔

(ابوداؤد: 3450)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ لوگوں نے حضور اکرم ﷺ سے عرض کی کہ

"یا رسول اللہ ﷺ! مہنگائی بہت زیادہ ہوگئی ہے۔ آپ قیمتیں تو مقرر فرما دیں"

آپ ﷺ نے فرمایا

"قیمتیں طے کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے جو قابض، باسط اور رازق ہے، مجھے امید ہے کہ میں اللہ تعالیٰ سے ایسے ملوں گا کہ جان و مال کے بارے میں مجھ سے کوئی مطالبہ نہیں کیا جائے گا"۔ (ابوداود: 3451)

ان احادیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے تجارت کو سرکاری سطح پر منظم کرنے کے امکان کو رد کیا ہے۔

زمانہ جاہلیت میں خفارہ کا نظام اور قدم قدم پر محصول چنگی کی وجہ سے تجات میں بڑی رکاوٹیں تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف سیاسی اور عسکری مصالح کے پیش نظر یہ حکم صادر فرمایا جو دوررس نتائج کا سبب تھا، اور دراصل اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چنگی کی لعنت ہی ختم نہ کی؛ بلکہ جزیرۃ العرب کی تسخیر کے بعد تمام ملک میں، مدینہ کی طرح آزادانہ درآمدات اور برآمدات کی اجازت دے کر بین الاقوامی آزاد تجارت کی داغ بیل ڈالی اور جدید تحقیقات نے اس بات کا ناقابل تردید ثبوت فراہم کر دیا ہے کہ آزاد بین الاقوامی تجارت نہ صرف اقوام وملل کے لیے، بلکہ پوری نوعِ بشر کی مادی ترقی کے لیے ضروری ہے، جس کے ذریعہ بین الاقوامی طور پر اشیاء کی قیمتیں متوازن رکھ کر عوام کو فائدہ پہنچایا جاسکتا ہے اس طرح اقوام خوشحال بن سکتی ہیں۔ (عہد نبوی کا شہری نظام، اسد اللہ خاں شہیدی شعبہ دینیات علی گڑھ مسلم یونیورسٹی)

اسلامی اقتصادی نظام کے عنوان کے تحت آزاد دائرۃ المعارف میں تحریر کیا گیا ہے کہ اسلام کا ایک

مکمّل اقتصادی نظام ہے، جس کی بنیاد قرآن، حدیث اور فقہی اصولوں پر رکھی گئی ہے۔ اسلامی اقتصادی نظام، سرمایہ داری نظام اور اشتراکیت وغیرہ سے یکسر مختلف ہے۔ اسلامی معاشی نظام کو مختصراً یوں بیان کیا جا سکتا ہیں کہ اس نظام کا ''دِل'' تجارت ہے۔ لہٰذا اسلامی اقتصادی نظام میں'' زر'' یعنی پیسہ حقیقی دولت پر مبنی جنس ہوتا ہے جیسے طلائی دینار اور نقرئی درہم، گندم، چاول وغیرہ۔ یہ سود، قمار، غرر سے پاک ہوتیں ہیں۔ یہ آزاد بازاروں پر مبنی ہوتی ہے جہاں پر ہر شخص اپنی تجارتی اشیاء کی فروخت کرسکتا ہے۔ جہاں تھوک فروشی تک ہر شخص کی یکساں رسائی ہوتی ہے۔ ہر چھوٹا کاری گر وصنعت کار اپنا کارخانہ خود بنا سکے گا۔ ان اوقاف میں شرکت، مضاربت، مرابحہ وغیرہ کے طریقوں سے تجارت ہوتی ہے۔) اسلامی آزاد بازار (انگریزی Islamic Open Markets) قرآن، حدیث اور فقہی اصولوں کے مطابق بنائے گئے بازار کو کہا جاتا ہے۔ مغربی نظام معیشت کا قلب ''سود'' ہے جبکہ اسلامی نظامِ معیشت کا قلب ''تجارت'' ہے۔ رسول ﷺ نے جب مدینہ کی طرف ہجرت کی تو وہاں جا کر دو بڑے ادارے قائم کیے۔ ایک مسجد اور دوسرا بازار (مارکیٹ)۔ اور دونوں کو اوقاف کہا جس طرح مسجد کسی ایک شخص کی ملکیت نہیں ہوتا بلکہ یہ وقف ہوتا ہے اور اس پر اس علاقے کے تمام افراد کا یکساں حق ہوتا ہے۔ کوئی بھی مسجد میں اپنے لیے جگہ خاص نہیں کرسکتا لہٰذا جو مسلمان پہلے آئے گا وہ پہلی صف میں کھڑا ہونے کا حقدار ہوگا۔ اسی طرح اسلامی نظامِ معیشت میں بازار بھی وقف ہوتا ہے اور وہ اس علاقے کے سارے عوام کی مجموعی ملکیت ہوتا ہے۔ اس لیے بازار کے لیے جگہ حکومت فراہم کرے گی اور اس جگہ پر ہر شخص کا یکساں حق ہوگا۔ جیسا کہ مال وغیرہ کارخانے میں بنتا ہے، پھر گوداموں اور تھوک فروشی کے مراکز میں آتا ہے۔ پھر وہاں سے مارکیٹ/ بازار میں آتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے دَور میں بازار کے لیے خاص جگہ مخصوص تھی لیکن گوداموں اور کارخانوں کے لیے خاص جگہ مخصوص نہیں تھی بلکہ اکثر چھوٹے کارخانے اور تھوک فروشی ایک ہی جگہ ہوا کرتے تھے، جس کو'' سوق'' کہتے تھے لیکن بعد کے اَدوار میں تینوں کے لیے الگ الگ جگہیں بنائیں گئیں اور خلافتِ عثمانی میں یہ اپنے عروج پر پہنچ گئی۔ اس لیے ہم اوقاف کو کم از کم تین حصوں میں تقسیم کرسکتے ہیں:

(1) سوق المفتوحہ (آزاد بازار
(2) الخان المفتوحہ (آزاد مال تقسیم کرنے کے مراکز)
(3) حرفۃ المفتوحہ (آزاد پیداواری مراکز)

☆سوق المفتوحہ (آزاد بازار)

''سوق'' عربی میں بازار کو کہتے ہیں۔ سوق المفتوحہ کے لفظی معنی ہے آزاد بازار' یعنی وہ بازار جس کے لیے جگہ حکومت فراہم کرے اور اس میں معاملات سود اور قمار وغیرہ سے پاک ہو اور جس میں'' زر'' شرعی زر استعمال ہوتی ہو یعنی دینار و درہم۔ حکومت اس جگہ کی فراہمی کے لیے کسی بھی قسم کا محصول (Tax)، کرایہ وغیرہ نہیں لے گی۔ ہر وہ بندہ جو پہلے آئے گا وہ اپنے لیے جگہ مخصوص کر کے اپنی اشیاء فروخت کرے گا۔ اور جونہی وہاں سے اُٹھ گیا تو جگہ دوسرے کے لیے خالی ہو جائے گی۔ اس لیے وہاں کوئی شخص اپنا مستقل دُکان قائم نہیں کرسکتا کیونکہ وہ جگہ ایک شخص کی نہیں بلکہ سارے عوام کی ملکیت ہے۔ موجودہ دور میں سستے بازار ان کی بہترین مثال ہیں۔ مغربی معاشی نظام میں ملک کی ساری خورد و نوش کی اشیاء کی خرید و فروخت پر چند سرمایہ داروں کا قبضہ ہوتا ہے مثلاً برطانیہ میں تقریباً ستّر فیصد (70%) اشیاء خورد و نوش کا قبضہ صرف پانچ بڑی کمپنیوں کے پاس ہیں جو ہر چیز پر اجارہ داری قائم کر کے اشیاء کی قیمتوں میں آسانی سے اضافہ کرسکتی ہیں۔ لہٰذا مغربی نظام معیشت ہمیں سُپر سٹورز، ہائپر سٹورز اور بڑے بڑے مالز (Malls) فراہم کرتا ہے جبکہ اسلام ہمیں آزاد بازار فراہم کرتا ہے جہاں ہر چھوٹا بڑا تاجر اپنے سامان کی تجارت کرسکتا ہے۔

☆الخان المفتوحہ (مال تقسیم کرنے کے آزاد مراکز)

بازار میں مال آنے سے پہلے یہ گوداموں اور تھوک فروشی کے مراکز میں آتا ہے۔ خلافتِ عثمانی میں مال تقسیم کرنے کے لیے الگ مراکز قائم کیے گئے، جہاں پر مقامی اور بین الاقوامی مال آتا تھا اور وہاں سے پھر بازاروں میں تقسیم ہوتا تھا۔ ان مراکز کو عربی میں ''خان'' کہا جاتا تھا۔ ترکی زبان میں اُسے ''حان''، فارسی زبان میں اُسے' کاروان سرائے کہا جاتا تھا۔ آزاد بازار کی طرح ان مراکز کے لیے بھی جگہ حکومت فراہم کرتی تھیں اور ضروریات کی دوسری اشیاء بھی سب مل کر استعمال کرتے تھے۔ وہاں پر تجارت زیادہ تر قرض کی بنیاد پر ہوتا تھا لیکن مغربی نظام کے آنے کے بعد ان کو صفحۂ ہستی سے اس طرح مٹایا گیا جیسا کہ وہ تھے ہی نہیں۔

☆حرفۃ المفتوحہ (صنعت و پیداوار کے آزاد مراکز)

حرفۃ المفتوحہ، صنعت و پیداوار کے آزاد مراکز کو کہا جاتا ہے۔ اس کے لیے بھی جگہ اور دوسرے ضروریات کے وسائل حکومت فراہم کرے گی جہاں ہر شخص اپنی چھوٹی یا بڑی صنعت بنائے گا۔ جس پر حکومت اس سے کوئی محصول (Tax)، کرایہ وغیرہ وصول نہیں کرے گا۔ حرفت میں اکثر کاروبار شراکت کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ لہٰذا اوقاف کی وجہ سے ہر چھوٹے سے چھوٹے تاجر وصنعت کار کے لیے پیداواری مراکز، تھوک فروشی اور بازار تک براہِ راست رسائی ہوگی جبکہ مغربی نظام معیشت میں صنعت، تھوک فروشی اور بازار پر چند سرمایہ داروں کا قبضہ ہوتا ہیں۔ (اسلامی اقتصادی نظام: آزاد دائرۃ المعارف، ویکیپیڈیا)

جہاں تک بین الاقوامی تجارت کا تعلق ہے۔ اسلام کی نگاہ میں تمام انسان ایک کنبہ کی مانند ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کی تمام نعمتیں یعنی پیداوار پر تمام انسانوں کا حق ہے۔ لہٰذا اسلامی نقطہ نگاہ سے بین الاقوامی سرحدوں پر خصوصاً مسلم ممالک کے مابین تجارتی نظام کو آزادانہ رکھنا چاہیے۔ چونکہ عالم اسلام کے تمام ممالک تمام تر جغرافیائی حدود اور فاصلوں کے باوجود ایک امت' ایک قوم اور ایک جماعت ہیں اور اسلام کا نظریہ تجارت خارجہ یہ تعلیم دیتا ہے کہ ان کے درمیان کسی قسم کی پابندیاں نہ ہوں۔ ان کی پیداوار اور اشیاء عالم اسلام کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک بلا روک و ٹوک لائی جا سکیں۔ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا:

''مسلمان مسلمان کا بھائی ہے وہ نہ تو اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ ہی کسی ظالم کے مقابلہ میں بے یار و مددگار چھوڑتا ہے اور جو کوئی اپنے بھائی کی حاجت براری کرے اللہ کریم اس کی حاجت پوری کریں گے۔ جو شخص کسی مسلمان سے اس کی مصیبت دور کرے اور جو شخص کسی مسلمان کا عیب چھپائے تو اللہ قیامت کے دن اس کے عیبوں پر پردہ ڈالے گا''

(صحیح مسلم جلد سوم حدیث: 4727)

ایک اور حدیث پاک میں سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا

''مسلمانوں کی مثال آپس میں محبت،

رحمت اور شفقت ایک جسم کی مانند ہے کہ جب اس جسم کے کسی عضو کو تکلیف ہوتی ہے تو سارا جسم بیداری اور بخار میں اس کا ہمنوا بن جاتا ہے"

(صحیح مسلم جلد سوم حدیث:4735)

جہاں تک غیر اسلامی ممالک سے تجارت کا تعلق ہے تو اسلام اور سیرت مصطفیٰ ہماری یوں رہنمائی کرتی ہے کہ ساری مخلوق اللہ کا کنبہ ہے اور سارے انسان اللہ کے بندے اور تمام انسان معاشی حاجات میں برابر ہیں۔ کسی امیر کو غریب پر برتری حاصل نہیں قرآن مجید سورہ نساء میں فرماتا ہے کہ

"اے انسانو! اپنے اس پروردگار سے ڈرتے رہا کرو۔ جس نے تم سب کو ایک جان (آدم علیہ السلام) سے پیدا کیا اسی سے اس کا جوڑا بنایا' پھر ان دونوں کے ذریعے بہت سے مردوں اور عورتوں کو پھیلا دیا"۔

(النساء:4-1)

رحمت عالم ﷺ کا بھی ارشاد گرامی ہے:

"تم سارے کے سارے آدم علیہ السلام کی اولاد ہو اور آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا گیا"۔

(جامع ترمذی:3956)

اس لحاظ سے اسلام کا معاشی نظامی تمام انسانوں کے درمیان معاشی تعلقات کا داعی ہے اور تجارت خارجہ اس کا مظہر اتم ہے۔ اسلام کا نظام تجارت اس امر کا متقاضی ہے کہ جس طرح ایک نسان دوسرے انسان کے تعاون کے بغیر اپنی معاش کو کلیتہً جاری نہیں رکھ سکتا۔ اس طرح ایک ملک دوسرے ملکوں کے تعاون کے بغیر معاشی بقاء حاصل نہیں کرسکتا۔

حضور اکرم ﷺ کا یہ فرمان ذیشان بھی قابل غور ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا۔

"ساری مخلوق اللہ کریم کا کنبہ ہے لہذا اللہ کریم کو اپنی مخلوق کو سب سے زیادہ محبوب ہے۔ جو اللہ کریم کے کنبہ سے زیادہ اچھا سلوک کرے"

(مشکوٰۃ: بیہقی فی شعب الایمان)

اسلام نے مسلمانوں کو ان تمام اقوام سے تجارتی تعلقات استوار کرنے کی اجازت دی ہے۔ اور سیرت رسول عربی ﷺ سے ایسے شواہد بھی نظر آتے ہیں کہ آپ ﷺ نے اپنے خون کے پیاسوں کی بھی مدد فرمائی۔ امام محمد رحمتہ اللہ علیہ نے نبی کریم ﷺ ایسا ہی ایک واقعہ نقل کیا ہے۔ جو بین الاقوامی تجارت میں اسلامی معاشی عدل سے بڑھ کر معاشی احسان کی دلیل ہے۔ لکھتے ہیں:

"جب اہل مکہ قحط کا شکار ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ سے پانچ سو درہم بھیجے اور قاصد کو حکم دیا کہ یہ دینار ابوسفیان بن حرب اور صفوان بن امیہ (سرداران قوم) کو دیئے جائیں تاکہ وہ مکہ مکرمہ کے محتاجوں میں تقسیم کردیں"۔

"اسی طرح آپ ﷺ نے ایک دفعہ مدینہ منورہ سے مکہ کے سردار ابوسفیان کو کھجوریں ارسال فرمائیں جبکہ اس وقت وہ مسلمانان مدینہ کے جانی دشمن تھے"۔

(محمد بن حسن الشیبانی شرح کتاب الیسر الکبیر' قاھرہ 1907 ج باب صلۃ المشرک ص(12:96)

صحیح بخاری میں ایک اور واقعہ درج ہے کہ حضرت ثمامہ بن اثال رضی اللہ عنہ یمامہ کے سردار تھے۔ جب مسلمان ہوئے اور مدینہ منورہ سے واپس ہوتے ہوئے مکہ مکرمہ میں سے گزرے تو اہل مکہ نے ان پر آوازے کسے اور قبول اسلام پر دلخراش قسم کے طعنے دیے۔ اس پر انہوں نے جوش میں آ کر کہا:

"اب جب تک آقا کریم ﷺ حکم نہیں فرمائیں گے یمامہ کی گندم تمہارے شہر مکہ میں درآمد نہیں ہوگی"۔

(صحیح بخاری جلد دوم حدیث :4024)

(وہاں قحط سی کیفیت پیدا ہوئی تو آپ ﷺ کے حکم پر ان کو گندم برآمد کی گئی)۔

بین الاقوامی تجارت میں ترقی یافتہ ممالک ترقی پذیر اور پسماندہ ممالک کا معاشی استحصال کرتے ہیں کبھی کسٹم کے ظالمانہ قوانین' کبھی بھاری ٹیکس لگا کر معاشی انصاف کے حصول میں روڑے اٹکاتے ہیں۔ دور حاضر میں مسلمان مملکتوں سے سوکیانہ سلوک کیا جاتا ہے۔ اس کی صرف ایک مثال یہاں دی جاتی ہے۔

سن دو ہزار ایک میں اس وقت کے پاکستان کے وزیر تجارت عبدالرزاق داؤد نے ایک اخبار کو بتایا کہ' انہوں نے امریکہ سے کہا کہ وہ پاکستان سے درآمد کیے جانے والے کپڑوں پر ٹیرف یعنی محصول کم کردے۔ لیکن ان کی یہ خواہش پوری نہ ہو سکی۔ اور تین سال بعد پاکستان کے بنائے ہوئے سویٹر اور بستر کی چادروں پر لگایا جانے والا امریکی محصول جاپان اور یورپ سے آنے والی کاروں اور کمپیوٹر چپس پر لگائے جانے والے محصول سے پانچ سے دس گنا زیادہ تھا۔ اور یہ مسئلہ صرف پاکستان اور امریکی محصول کا نہیں ہے۔ اس کا تعلق حقیقت میں اسلامی دنیا کی معاشی بدحالی سے ہے جو شمالی افریقہ سے لے کر بنگلہ دیش تک تیس ملکوں اور سات سو ملین لوگوں پر مشتمل ہے۔ معاشی ترقی کے لیے آزاد تجارت کی جس خوبی کا اکثر مغربی دنیا ڈھنڈورا پیٹتی ہے، عام طور پر مسلمان ملکوں کے ساتھ تجارت میں نظر نہیں آتی۔ (بی بی سی اردو آن لائن۔ ستمبر, 200412)

جبکہ اسلام اور سیرت نبوی ﷺ ہمیں ساری مخلوق کو اللہ کا کنبہ قرار دے کر ایسے ظالمانہ نظام کی نفی کی ہے۔ حضور اکرم ﷺ کے غلاموں نے بھی آپ ﷺ کے احکام کو دل و جان سے قبول کیا اور اگر ٹیکس لگانے کی ضرورت محسوس ہوئی تو اتنا ہی ٹیکس لگایا جتنا کہ غیر مسلم مسلمانوں کے مال پر لگاتے ہیں۔ اس کی ایک بڑی مثال خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی ہے۔ انہوں نے اپنے گورنر حضرت ابوموسیٰ اشعری کو ہدایات نامہ جاری کیا اس میں لکھا

"ان (کافر تاجروں) سے اتنا ہی (محصول) وصول کیجیے جتنا (ان کے حکام) مسلمان تاجروں سے وصول کرتے ہیں"۔

(ابو یوسف۔ کتاب الخراج)(12)

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جو غیر مسلم ریاست مسلمان تاجروں سے محصول وغیرہ نہیں لیتے ان سے بھی محصول نہیں لیا جائے گا۔ الہدایہ میں تحریر ہے کہ

"اگر وہ کچھ نہیں لیں گے تو وہ (ہمارا عاشر' درآمدی ٹیکس وصول کرنے والوں سے) بھی کچھ نہیں لے گا"۔

(مرغینانی: الہدایہ کتاب الزکاۃ باب فی من یجر علی العاشر)

نماز کی فکر

اسد رضا اعظمی

ہمارے معاشرے میں ہر فرد اپنی زندگی کے معمولات کی فکر لیکر سوتا اور جاگتا ہے اگر وہ ملازم ہے تو اسکو مقررہ وقت پر پہنچنے کی، اگر مزدور ہے تو اگلے دن کے کام کو ڈھونڈنے کی، اگر وہ ڈاکٹر ہے تو ٹائم کے ساتھ ساتھ مریضوں کے معاملات دیکھنے کی، دکاندار کو حساب وکتاب میں کمی، پیشی کو پورا کرنے اور اگلے دن گاہک کو نمٹانے کی، عورت کو گھر میں اگلے دن کے معاملات کو سنبھالنے کی، طالب علم کو اسباق کو یاد اور ہوم ورک مکمل کرنے کی فکر ہوتی ہے الغرض ہر کوئی کسی نہ کسی فکر میں رہتا ہے لیکن ان میں سب سے اچھی فکر والا نمازی شخص ہوتا ہے کہ یہ وہ بندہ ہے جس کو نماز پڑھے بغیر نیند نہ آئے اور نماز پڑھے بغیر اپنے دن کے معاملات شروع ہی نہیں کرتا بس ہر وقت اپنی نماز کی فکر ہوتی ہے۔

بدقسمتی سے ہمارے معاشرے کا ہر فرد کو دنیاوی کاموں کی فکر تو ہوتی ہے نہیں ہوتی تو بس اللہ تعالیٰ کی عبادت کی نہیں ہوتی، حدیث میں آتا ہے کہ ایک صاحب نے عرض کی، یارسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)! اسلام میں سب سے زیادہ اللہ کے نزدیک محبوب کیا چیز ہے؟ فرمایا: ''وقت میں نماز پڑھنا اور جس نے نماز چھوڑی اس کا کوئی دین نہیں۔ نماز دین کا ستون ہے۔ (شعب الایمان''، باب فی الصلوٰت، الحدیث: ۲۸۰۷، ج ۳، ص ۳۹۔)

ایک اور حدیث میں یوں فرمایا: ''سب سے پہلے قیامت کے دن بندہ سے نماز کا حساب لیا جائے گا، اگر یہ درست ہوئی تو باقی اعمال بھی ٹھیک رہیں گے اور یہ بگڑی تو سبھی بگڑے۔ (المعجم الأوسط''للطبرانی، باب الألف، الحدیث: ۱۸۵۹، ج ۱، ص ۵۰۴۔)

بے نمازی کو ڈرنا چاہیئے کہ میں دنیا کما کر آخر کہاں جاوں گا، میری کمائی اور دنیا سے محبت کہاں تک ساتھ دیگی، سوچیں بے نمازی کا کوئی دین نہیں، سوچیں سب سے پہلے نماز کا سوال ہوگا۔

اور ایک نمازی ہے کہ جس کے بارے قرآنی آیات اور احادیث میں کثیر فضائل آئے ہیں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں نمازی بننے اور مدد الٰہی کی ہر وقت دعا کیا کریں۔

آپ دیکھو!

جن کو نماز سے لزت اور نماز سے محبت کی چاشنی مل گئی ہے وہ بے ہوشی کی حالت میں بھی اپنی نماز کی فکر رکھتے ہیں۔

عاشقِ نماز ہی وہ بندہ ہوتا ہے کہ بے ہوشی طاری ہوتی اور انکے سوکھے لبوں پر یہ الفاظ جاری ہوجاتے ہیں۔

میری ظہر کی نماز؟ جلدی بتاؤ ظہر کا ٹائم ہے؟

مجھے ظہر کی نماز پڑھاؤ (علامہ حافظ ملت) قبلہ حضور نماز تو قضاء ہوگئی ہے! پھر عاشقِ نماز رونے لگتا ہے پوچھا جاتا ہے۔ حضور! آپ ایسی حالت میں ہیں کہ نماز قضاء ہو بھی جائے آخرت میں مؤاخذہ نہیں ہوگا۔

مفتی صاحب فرماتے ہیں: یہ تو مجھے بھی پتہ ہے مگر ایک گھڑی اللہ کی بارگاہ میں جھکنے کی تھی وہ مجھ سے فوت ہوگئی (منقول عن امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ)

کچھ ماہ قبل میرے والد صاحب کے گردے کا آپریشن ہوا 3 یا 4 بجے (دن بس میں) کے قریب آپریشن شروع ہوا۔

آپریشن الحمدللہ بخیریت کامیاب ہوا اور پھر مغرب سے چند منٹ قبل او پریشن روم سے باہر نکالا گیا اس وقت میں خود موجود والد صاحب کا انتظار کر رہا تھا۔ جیسے ہی میں والد صاحب کے سامنے آیا تو آپ بے ہوشی کی حالت میں کچھ کہہ رہے تھے میں نے جب کان قریب کر کے غور سے سنے تو الفاظ کچھ یوں تھے:

عصر کی نماز؟

میری عصر کی نماز؟ میری نماز جارہی ہے؟ ٹائم ہے نماز کا؟ میں خود پریشان ہوگیا کہ اب کیا کریں پھر والد صاحب بار بار سوال کرتے رہے۔

میں نے کہا ابو! ابھی عصر کی نماز قضاء ہوگئی ہے ٹھیک ہو کر قضا کر لینا لیکن والد صاحب نماز کے اتنے فکرمند تھے پھر بھی بار بار یہ سوال دھراتے رہے کہ اگر مجھے نماز پڑھا سکتے ہو تو جلد پڑھاو ایسا نہ قضاء ہوجائے؟

نماز کی فکر یہاں تک نہ رکی پھر جب تھوڑا کچھ ہوش آیا پھر کہنے لگے کہ ابو مجھے واش روم کی حاجت پڑ رہی ہے لہذا جلدی کرو ورنہ میرے نمازی کپڑے خراب ہوجائینگے؟ میں نے عرض کی ابو آپ واش روم کی حاجت کی فکر نہ کریں نلیاں لگی ہیں پیشاب خود بخود نلیوں کے ذریعے ڈیوپ میں جارہا ہے لیکن اطمنان پھر بھی نہیں ہو رہا تھا بار بار سوال دھوراتے رہے۔

بالآخر مغرب کی نماز جیسے کیسے ابو نے پڑھ لی اور یوں الحمدللہ والد صاحب کو صرف عصر کی نماز کی قضاء کرنی پڑی۔ اور پھر میں تقریباً تین دن اور تین راتیں والد صاحب کی نمازوں کی ادائیگی کے لیے کوشش کرتا رہا۔

میں ان تینوں دنوں اور راتوں میں والد صاحب کی نماز کی ایسی فکر پر حیران رہا اور اپنی کمزوریوں پر غور کرتا رہا کہ ہم تھوڑے سر درد کی وجہ سے نماز قضاء کر دیتے ہیں۔

معمولی پیٹ کے درد یا کسی بھی چھوٹی مجبوری کی آڑ میں اپنی نمازوں کو ضائع کر دیتے ہیں۔ یہ تو انکی بات ہے جو نماز میں کمزوری لاتے ہیں جبکہ جو لوگ سرے سے نماز پڑھتے ہی نہیں انکا کیا بنے گا؟

بہرحال آج بھی والد صاحب اپنی نمازوں کی ہر وقت فکر اور حفاظت میں لگے رہتے ہیں اور وہ بھی جماعت کے ساتھ۔ روزانہ بلاناغہ قران کی تلاوت مخصوص اوراد و وظائف اور درود کی کثرت آپ کا معمول ہے اللہ تعالیٰ میرے والد محترم کی عمر دراز فرمائے انکا سایہ مجھ پر تادیر قائم رکھے۔

میرے محترم دوستو اور مسلمان بھائیوں!

اب بھی ٹائم ہے، اب بھی چند سانسیں باقی ہیں، ہمت کریں قضاء کی ہوئی نمازوں کو ادا کریں اور روزانہ کی پانچوں نمازوں کی پابندی کو لازم کریں۔

حدیث میں آتا ہے کہ ''بتاؤ! تو کسی کے دروازہ پر نہر ہو (اور) وہ اس میں ہر روز پانچ بار غسل کرے کیا اس کے بدن پر میل رہ جائے گا؟ عرض کی نہیں۔ فرمایا: ''یہی مثال پانچوں نمازوں کی ہے، کہ اللہ تعالیٰ ان کے سبب خطاؤں کو محو (ختم) فرما دیتا ہے۔

(صحیح مسلم''، کتاب المساجد، باب المشی إلی الصلاۃ۔۔۔إلخ، الحدیث: ۶۶۷، ص ۳۳۶۔)

❁❁❁

سامراجی نظام کے خلاف سدِّ سکندری

ٹیپو سلطان شہید رحمۃ اللہ علیہ

ماسٹر احسان الٰہی

شیر کی ایک دن کی زندگی گیدڑ کی سو سالہ زندگی سے بہتر ہے۔ یہ الفاظ حریت فکر، آزادیٔ وطن اور دین اسلام کی فوقیت وفضیلت قائم رکھنے والے سلطان ٹیپو کے ہیں جو آزادی کا پرچم بلند رکھنے کے لیے برطانوی سامراج کے مذموم عزائم کی راہ میں سدِّ سکندری بن گئے۔

ٹیپو سلطان 20 نومبر 1750ء کو بھارت کے موجودہ شہر بنگلور سے 21 میل دور شمالی بنگلور کے نواحی گاؤں یوسف آباد میں پیدا ہوئے۔ ٹیپو سلطان کی والدہ کا نام فخر النساء تھا جو کاڈیا کے قلعے کے گورنر میر محی الدین کی بیٹی تھیں اور سلطان ٹیپو کے والد حیدر علی کی دوسری بیوی تھیں۔

سلطان ٹیپو کا تعلق عربی النسل قریشی خاندان سے تھا۔ یہ خاندان مکہ سے جنوبی ہند کے علاقے ''گلبرگ'' پہنچا۔ ٹیپو سلطان کا نام بزرگ مستان شاہ کے نام پر رکھا گیا۔ ٹیپو نام کا ایک حصہ فتح علی اس کے والد اور دادا سے منسوب ہے اس لیے انہیں فتح علی سلطان ٹیپو کہا جاتا ہے۔ سلطان ٹیپو کے والد حیدر علی سلطنت میسور کے فوجی افسر تھے۔ 1761ء میں حیدر علی سلطنت میسور کے فرماں روا بن گئے۔ حیدر علی کو سرورِ کائنات ﷺ کے قبیلے قریش کے ساتھ نسبت پر بڑا ناز تھا۔ حیدر علی پڑھے لکھے نہیں تھے تاہم ان کا ایک مقولہ تھا مجھ جیسے جاہل سے اللہ نے وہ کارنامے انجام دلوائے ہیں جو ہزاروں پڑھے لکھے افراد بھی نہیں دے سکتے اور یہ قدرت کا انعام ہے حیدر علی کے والد فتح محمد نواب آف کرناٹک کی فوج میں 50 رکنی دستے کے کمانڈر تھے۔ 1782ء میں اپنے والد حیدر علی کی وفات کے بعد ٹیپو نے سلطنت کی باگ ڈور سنبھالی اور ایک قلیل مدت میں مختلف الجہات اصلاحات سے سلطنت کو تعمیری، زرعی، صنعتی، فوجی، تہذیبی، تمدنی اور دیگر شعبوں میں خود کفیل بنا دیا۔

شیرِ میسور ٹیپو سلطان ایک غیرت مند حکمران تھا۔ جس نے انگریزوں کی غلامی پر شہادت کو ترجیح دی اور ہمیشہ کے لیے امر ہو گیا۔ سلطان ٹیپو قوتِ ایمانی سے مالا مال اور جذبۂ جہاد سے سرشار دیندار اور متقی اور عظیم المرتبت حکمران تھا۔ وہ اکثر و بیشتر جنگوں میں مصروف رہا مگر اس کے باوجود اس کی کوئی نماز کبھی قضا نہ ہوئی۔ اگر کوئی شخص حکیم الامت علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے مردِ مومن کو مجسم صورت میں دیکھنا چاہے تو وہ سلطان فتح علی ٹیپو کو دیکھ لے۔ اس نے سرنگاپٹم میں انتہائی خوبصورت ''مسجدِ اعلیٰ'' تعمیر کروائی۔ 1790 عیسوی میں عید الفطر کے دن اس مسجد میں پہلی نماز ادا کرنے کا وقت آیا تو اس موقع پر اپنے زمانے کے مشہور و معروف مشائخ عظام اور علمائے کرام موجود تھے۔ ٹیپو سلطان کی خواہش تھی کہ اس افتتاحی نماز کی امامت کوئی ایسا شخص کرائے جو صاحبِ ترتیب ہو یعنی سن بلوغت کو پہنچنے کے بعد اس کی کوئی نماز کبھی قضا نہ ہوئی ہو لیکن وہاں موجود سینکڑوں علماء و مشائخ میں سے کوئی بھی یقین سے نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ صاحبِ ترتیب ہے لہٰذا کوئی آگے نہ آیا۔ یہ دیکھ کر ٹیپو سلطان خود آگے بڑھے اور کہا الحمد اللہ میں صاحبِ ترتیب ہوں اور نماز کی امامت کی سعادت حاصل کی۔ اسلامیانِ ہند کے اس قابل فخر راہنما نے اپنے 17 سالہ دورِ حکمرانی میں جو اہم خواب دیکھے، وہ ایک ڈائری میں خود اپنے ہاتھ سے قلمبند کر لیے تھے۔ فارسی زبان میں لکھی گئی یہ ڈائری لندن کی برٹش میوزیم لائبریری میں محفوظ ہے۔ اس میں درج ایک خواب بزبان اردو کچھ یوں ہے: ''مجھے ایسا لگ رہا تھا کہ روزِ محشر بپا ہے اور ہر طرف نفسا نفسی کا عالم ہے۔ ایک اجنبی میرے پاس آیا۔ اس کا چہرہ نورانی، داڑھی اور مونچھ سرخ اور شخصیت پر وقار تھی۔ وہ قوت مجسم لگتا تھا۔ اس نے میرا ہاتھ پکڑا اور پوچھا ''تم مجھے پہنچانتے ہو'' میں نے کہا ''نہیں'' اجنبی نے کہا میں علی المرتضیٰ ہوں اور تمہیں یہ بتانے آیا ہوں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے دہرا دہرا کر یہ فرمایا ہے کہ ''وہ جنت کے دروازے پر تمہارا انتظار کریں گے اور تمہیں ساتھ لے کر جنت میں داخل ہوں گے۔ یہ سُن کر میری خوشی کا ٹھکانہ نہ رہا۔ بھلا اس سے زیادہ میں کیا چاہ سکتا ہوں۔ پھر اچانک میں بیدار ہو گیا''۔

ٹیپو سلطان نے اپنی سلطنت کا نام ''سلطنتِ خدادادِ میسور'' رکھا جو کم و بیش 80 ہزار مربع میل پر پھیلی ہوئی تھی۔ وہ 26 دسمبر 1782 عیسوی کو اپنے والد حیدر علی کی وفات کے بعد تخت نشین ہوا اور اپنی رعایا سے خطاب کرتے ہوئے کہا ''میں عام لوگوں کی طرح ایک عام انسان ہوں۔ میرے لیے بھی فنا ہے اور میری حکومت کے لیے بھی۔ میں اپنی زندگی کو اس قابل نہیں سمجھتا کہ اس پر بھروسہ کر سکوں پھر بھی میرا فرض ہے کہ وطن کی آزادی کے لیے لڑتا رہوں اور اسی دُھن میں اپنی جان دے دوں۔ میرے ارادے بلند اور پختہ ہیں۔ دنیا کی کوئی طاقت اسے کم نہیں کر سکتی۔ اگر میں وطن کی آزادی کے لیے لڑتا ہوا مارا بھی جاؤں تو اس کی پرواہ نہیں کروں گا۔ انسان آزادی کی جنگ کرتا ہوا مر سکتا ہے لیکن اس کا خلوص اور وطن کی محبت کا جذبہ کبھی نہیں مر سکتا۔

تخت نشینی سے لے کر 4 مئی 1799ء کو اپنی شہادت تک اس کی زندگی جہد مسلسل سے عبارت رہی۔ علامہ ڈاکٹر محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کو شیرِ میسور سے بے پناہ عقیدت تھی۔ ان کے مجموعہ کلام ضربِ کلیم میں ایک نظم بعنوان ''سلطان ٹیپو کی وصیت'' موجود ہے۔ علامہ اقبال علیہ الرحمہ نے 1929ء میں ٹیپو سلطان کے مزار پر حاضری دی تھی اور ایک گھنٹہ تک ٹیپو سلطان شہید کی قبر پر تنہا بیٹھے روتے رہے۔ علامہ اقبال نے اپنی

فارسی کی ایک نظم میں سلطان شہید کو اس طرح خراجِ تحسین پیش کیا ہے:

آں شہیدان محبت را امام
آبروئے ہندو چین و روم شام
نامش از خورشید و مہ تابندہ تر
خاک قبرش از من و تو زندہ تر
از نگاہ خواجہ ﷺ بدر و حنین

فقر سلطان وارث جذب حسین رضی اللہ عنہ

ترجمہ: ٹیپو سلطان شہیدوں کے امام ہیں۔ وہ ہندوستان، چین، روم اور شام کی غیرت ہیں۔ ان کا نام چاند اور ستاروں سے زیادہ روشن ہے اور ان کی قبر کی خاک مجھ سے اور تجھ سے زیادہ زندہ ہے اور حضور آقا ﷺ کی نگاہوں میں سلطان ٹیپو کا فقر جذبۂ حسین رضی اللہ عنہ کا وارث ہے ٹیپو سلطان نے نہایت سادہ زندگی بسر کی۔ ریشم و کمخواب کے بستر کی بجائے فرش پر موٹی دری بچھا کر سونے والے اس جلیل القدر حکمران نے ہمیشہ دیسی کپڑے زیب تن کیے۔ اسے مطالعہ کا بے حد شوق تھا اور اس کے کتب خانے میں تقریباً 45 ہزار کتب موجود تھیں سلطان ٹیپو اپنی رعایا کی فلاح کے لیے بے چین اور ہمہ تن گوش رہتا۔ اس کے عہد میں رفاعی اداروں میں بھی سلطان کا کوئی ثانی نہ تھا۔ یتیم خانے، مدرسے، شفا خانے، سرائیں، مسجدیں تھوڑے تھوڑے فاصلے پر موجود ہوتیں۔ تعصب سے پاک بادشاہ نے مندر بھی تعمیر کرائے، اگر کوئی ہندو مذہبی تقریب ہوتی تو خرچہ حکومت کرتی۔ رزم ہو یا بزم نرم گوئی، منکسر المزاجی، دامن گیر رہتی مگر ہر دم ہوشیار، ہر دم تیار اور مصروف برسر پیکار رہتا۔ انتھک محنتی سالار، غیور اور خوددار سلطان تھا۔ اردو، عربی، انگریزی، فرانسیسی اور خاص طور پر فارسی زبان اور تحریر و بیان میں خوب مہارت رکھنے والا حکمران تھا۔ مغلوں، انگریزوں اور دوسرے حکمرانوں کی ٹھاٹھ باٹھ اور کروفر کے خلاف تھا۔ دینی تعلیم سلطان ٹیپو کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی۔ خود حافظِ قرآن تھا، علوم دین کے ساتھ ساتھ حدیث اور تفسیرِ قرآن کا مستند عالم تھا۔ عصری علوم وفنون سے انتہائی دلچسپی اور آگاہی تھی۔ نئی ایجادات کے لیے کمر بستہ رہتا۔ جنگی فنون اور ہتھیار سازی کا بے حد شوقین اور دھنی تھا۔

سلطان ٹیپو ترکِ موالات کا بانی تھا۔ اس کا لباس نہایت سادہ، دستار پر سفید رومال بندھا ہوتا۔ اکثر سفید لباس زیب تن کرتا۔ کمر کی پٹی سے سپاہیانہ شان کے مطابق خنجر یا تلوار لٹکی ہوتی۔ گھڑ سواری اس کے مشاغل میں شامل تھی۔ زندگی کا بیشتر حصہ گھوڑے کی پشت پر گزارا۔ بڑے بڑے منہ زار ہاتھیوں کو قابو میں لا کر سواری کرتا۔ فوجی مشقوں میں خود شامل ہوتا۔ ہتھیاروں کی تیاری، نئے نئے جنگی طور طریقوں پر غور کر کے حکمتِ عملی تیار کرنے، میدانِ جنگ نقشوں کی تیاری پھر دشمن کی طرف سے ممکنہ حملوں کی صورت میں جوابی کاروائی اور حکمت عملی پر غور اس کا معمول تھا۔ ان خداداد صلاحیتوں کی بنیاد پر ٹیپو سلطان کا شمار دنیا کے نامور ذہین ترین سپہ سالاروں میں ہوتا ہے۔ اسے راکٹوں کا بانی بھی تسلیم کیا جاتا ہے اور امریکہ کے خلائی تحقیقی ادارے ''ناسا'' کے میوزیم میں ایک دیوار پر ٹیپو سلطان کے ایجاد کردہ راکٹوں کی تصاویر آویزاں ہیں۔ وہ ایک روشن خیال اور مذہبی رواداری کا علمبردار حکمران تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے مزار پر مسلمانوں کے علاوہ دیگر مذاہب کے پیروکار بھی بڑی تعداد میں حاضر ہوتے ہیں۔

شجاعت اور دلیری کے ساتھ ساتھ سلطان ٹیپو اعلیٰ انتظامی صلاحیتوں کا مالک تھا۔ ٹیپو کے دورِ حکومت میں بڑی بڑی عمارات تعمیر ہوئیں، کارخانے لگائے گئے، لوگوں کو روزگار کے وسیع ذرائع فراہم کرنے کے لیے صنعت وحرفت کو حیرت انگیز ترقی دی گئی۔ تجارت کا دائرہ کار ہندوستانی ریاستوں سے افغانستان، ایران اور یورپ تک پھیلایا گیا۔ سلطان ٹیپو نے اسلحہ سازی اور جہاز سازی کو فروغ دیا۔ بندرگاہیں بنوائیں، بحریہ کو فروغ دیا، بحری اڈے قائم کیے۔ اسلامی شرعی قوانین نافذ کرنے کے لیے کوشاں رہا علمی اور ادبی محفلوں کی بھی حوصلہ افزائی کرتا رہا۔ اس کے اپنے احکامات پر مشتمل روزنامچہ ''فرامین و احکام'' کتابی شکل میں مرتب کیا گیا۔ فتح المجاہدین کے نام سے کتاب بھی قلمبند کی جو ان کی علمی لیاقت اور اہلیت کا شاہکار ہے۔

سلطان ٹیپو کو وقت اور زمانے کے بدلتے ہوئے حالات کا ادراک تھا۔ فرانس کے نپولین بوناپاٹ، عرب حکمرانوں، مسقط، افغانستان، ایران، ترکی اور خلیفۃ المسلمین سے اتحاد بین المسلمین کے لیے رابطے کیے۔ فرانسیسیوں کی مدد سے فوج کو جدید خطوط سے آراستہ کیا۔ سلطان نے اپنے سولہ سالہ مختصر دورِ حکومت میں طویل جنگ وجدل اور دیگر فوجی انتظام وانصرام کی تکمیل کے باوجود علم وادب، تہذیب وثقافت، صنعت وحرفت، زراعت اور ملکی مصنوعات کو حیرت انگیز طور پر فروغ دیا۔ چاول، ناریل، ریشم، صندل، کافی، کپڑے اور ہاتھی دانت سے متعلق صنعتوں کو لازوال ترقی دی۔ آج بھی ہندوستان کی معیشت کی بنیاد سلطان ٹیپو کی اصلاحات و ایجادات کے باعث پائیدار اور مستحکم ہے۔

ہر محکمے میں ہندوؤں اور مسلمانوں کو مساوی بنیادوں پر ملازمتیں فراہم کی جاتی تھیں۔ مسلمان اور ہندو وزراء کی تعداد برابر تھی۔ سلطان ٹیپو ہندوستان کے پہلے مجاہد تھے جنہوں نے اہلِ ہند اور اہلِ مشرق کو انگریزوں کے خلاف بیدار اور متحد کیا۔

''ترخیا پلی مندر'' کے ساتھ ایک بہت بڑی جاگیر وقف کرنا سلطان کی مذہبی رواداری کی روشن دلیل ہے اس جیسی دیگر مثالیں تیجنور، میسور، ارکاٹ اور دیگر علاقوں میں بھی ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔ سلطان ٹیپو نے دکن کو تہذیب وثقافت کا گہوارہ بنا دیا، مسلمانوں اور ہندوؤں کی بڑی تعداد ٹیپو سلطان کو آج بھی یاد کرتی ہے۔

دکن میں خواتین عموماً نیم برہنہ رہتی تھیں، جنوبی ہند میں شوہروں کی تعدد کی وبا عام تھی۔ سلطان نے عورتوں کو لباس پہننے کا سلیقہ عطا کیا۔ اچھوتوں کو برہمنوں کے جبر واستبداد سے ہمیشہ کے لیے نجات دلائی۔ برصغیر پاک و ہند کے پہلے حکمران ہیں جنہوں نے اردو کو باقاعدہ فروغ دیا اور دنیا کا پہلا اردو اخبار ''فوجی'' نکالا۔

سابق بھارتی صدر زین العابدین عبدالکلام نے 30 نومبر 1991ء کو ایک لیکچر میں سلطان ٹیپو کو دنیا کے پہلے جنگی جہاز کا بانی قرار دیا۔ برطانیہ نے سرنگاپٹم میں جو دو راکٹ پکڑے تھے وہ آج بھی لندن کے شاہی فوجی عجائب گھر میں موجود ہیں۔

سلطان ٹیپو ایک ریاست میسور کا نام نہیں بلکہ اس کے پیچھے مسلمانوں کی صدیوں پہلے کی تاریخ پوشیدہ تھی۔ ٹیپو سلطان کو تلوار اور جہاد ورثے میں ملا تھا۔ ان کے والد نواب حیدر علی ایک عام سے سپاہی کی حیثیت سے میسور کے راجہ کے پاس خداداد صلاحیتوں کی وجہ سے میسور کے راجہ کی فوج میں ترقی کر کے ''نائیک'' کے عہدہ تک پہنچ گئے۔ نائیک فوج میں اس سردار کو کہتے ہیں جو فوج کی ہر مشکل میں راہنمائی کرتا ہے۔ حیدر علی نے مرہٹوں اور انگریزوں کو ناکوں چنے چبوائے۔

یہاں تک کہ گھوڑے کی پیٹھ پر مسلسل سفر کرتے اور جہاد کرتے ہوئے حیدر علی کو ناسور ہو گیا جو بعد میں کینسر بن کر اس مردِ مجاہد کی زندگی کے خاتمے کا سبب بنا۔ حیدر علی کے بعد اس کے شیر دل بیٹے فتح علی ٹیپو سلطان نے مرہٹوں اور انگریزوں کی کمر توڑ دی لیکن ٹیپو سلطان کے ساتھ جس طرح سے اپنوں نے غداری کی اس کی مثال نہیں ملتی۔ نظام دکن نواب نظام علی خاں نے ٹیپو سلطان کی مخالفت صرف اس لیے کی کہ کہیں ٹیپو سلطان مزید طاقت ور بن کر اس کی سلطنت پر قبضہ نہ کرے حالانکہ ٹیپو سلطان نے نواب نظام علی کو ایک خط میں وضاحت کر دی تھی کہ نواب صاحب آپ کافر مشرکوں کے ساتھ مل کر مملکتِ خداداد کو تباہ نہ کریں بلکہ ہم آپس میں رشتہ استوار کر کے ایک دوسرے کو مزید مضبوط کر لیں ورنہ قیامت کے روز آپ اللہ تعالیٰ اور حضور اقدس ﷺ کو کیا منہ دکھائیں گے لیکن نظام دکن نے خط کا الٹا اثر لیا کہ ایک نائیک کا بیٹا ہم سے رشتہ طلب کر رہا ہے۔ اسے اس نے اپنی توہین سمجھا اور سلطان کے قاصد کو بے عزت کر کے نکال دیا اور اس کے بعد مرہٹوں اور انگریزوں کے ساتھ مزید گٹھ جوڑ کر کے مملکتِ خداداد میسور کو تباہ کرنے کے منصوبے بنائے اور سلطان ٹیپو کے اپنے دربار سے غداروں کو خرید لیا گیا۔ ان غداروں میں میر صادق، میر غلام علی لنگڑا اور دیوان پورینا و دیگر شامل تھے۔ انگریزوں نے میر صادق کو سلطان ٹیپو کے بعد میسور کا سربراہ بنانے کا لالچ دے کر اس کا ایمان بھی خرید لیا۔ میر صادق نے اپنی چرب زبانی سے سلطان ٹیپو کو اپنی صلاحیتوں کا قائل کر رکھا تھا جبکہ حقیقت میں میر صادق بزدل اور محسن کش شخص تھا۔ سلطان ٹیپو کو آخری وقت میں اس غدار کے بارے میں سب کچھ معلوم ہو گیا۔ سلطان نے 2 مئی 1799ء کو اپنے وفادار نواب میر معین الدین کو ایک فہرست دی جس میں تمام غداروں کے نام تھے اور ان سب کو قتل کرنے کا حکم تھا۔ کسی غدار نے نواب معین الدین کے پاس وہ فہرست دیکھ لی اور میر صادق اور دیگر غداروں کو اطلاع کر دی کہ آج رات انہیں قتل کر دیا جائے گا جس پر وہ محفوظ مقام پر چلے گئے اور تھوڑی دیر کے لیے اپنے انجام بد سے بچ گئے لیکن سلطان شہید کی شہادت سے کچھ دیر قبل وفادار قلعہ داروں نے میر صادق کو قتل کر دیا اور اس کی لاش کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے گندگی میں پھینک دیا۔

انہی غداروں کے بارے میں علامہ اقبال نے اپنی ایک نظم میں لکھا ہے کہ دوزخ کی آگ بھی چیخ اٹھی کہ اے مالکِ جن وانس میں ان دو غداروں میر صادق اور میر جعفر کو کیسے قبول کروں۔ الغرض ان غداروں کی معاونت کے باعث انگریزوں اور ان کی اتحادی فوجوں نے سرنگاپٹم کا محاصرہ کر لیا۔ تب ٹیپو سلطان کو بھی یقین ہو گیا کہ اس کے وزیر اور افسر خاصی بڑی تعداد میں دشمن سے ملی بھگت کر چکے ہیں تب آپ نے اپنی فوج میں شامل فرانسیسی افسران سے مشاورت کی۔ فرانسیسی دستہ کے کمانڈر جنرل موسی سیپو نے ٹیپو سلطان سے کہا کہ ان حالات میں آپ کا یہاں موجود رہنا مناسب نہیں۔ بہتر ہوگا کہ آپ نقدی و ہیرے جواہرات سمیٹ کر مع اہل و عیال راتوں رات یہاں سے نکل کر چتل ورگ کا رخ کریں اور قلعہ کی حفاظت ہم پر چھوڑ دیں۔ ہم آپ کی طرف سے انگریزوں سے خود نمٹ لیں گے تاہم اگر ہم پر اعتماد نہ ہو تو ہمیں انگریزوں کے حوالے کر دیں کیونکہ ہمارے آپ کے ساتھ فوجی تعاون کی وجہ سے ہی انگریز آپ سے صلح کے لیے تیار ہو جائیں گے۔ سلطان فرانسیسی فوجیوں کی وفاداری، احسان شناسی اور مصیبت کی اس گھڑی میں جذبۂ ایثار و قربانی سے بے حد متاثر ہوا اور کہا کہ میں تجھ جیسے وفاداروں کو دشمن کے حوالے کیسے کر سکتا ہوں۔ مجھے یہ تو گوارا ہے کہ میری سلطنت چلی جائے لیکن میں تمہیں دشمن کے حوالے کرنے کے متعلق سوچ بھی نہیں سکتا۔

4 مئی 1799ء کی صبح ٹیپو سلطان نے نمازِ فجر مسجدِ اعلیٰ میں ادا کی۔ نماز کے بعد ان کے پرائیویٹ سیکرٹری میر حبیب اللہ نے عرض کیا کہ وقت کا تقاضا ہے کہ آپ جانِ عزیز پر رحم فرمائیں اور اپنے شہزادوں کی یتیمی و اسیری کا تصور کریں لیکن ٹیپو سلطان نے وطن کی محبت کے تحت زندگی بسر کی اور اسی اعلیٰ مقصد کے تحت جان دے دی۔ اس جنگ میں ٹیپو سلطان کے کم و بیش بارہ ہزار سپاہیوں نے حرمتِ وطن کی خاطر اپنی جانیں نثار کیں اس کے مقابلے میں انگریز فوج کے صرف ڈیڑھ ہزار سپاہی حرام کی موت مرے کیونکہ انگریزوں نے یہ جنگ عسکری قوت کے بل بوتے پر کم اور غدار سازشیوں کے بل بوتے پر زیادہ لڑی تھی۔

ٹیپو سلطان کو اس حقیقت کا کما حقہ ادراک تھا کہ انگریز سامراج پورے ہندوستان پر قابض ہونا چاہتا ہے تاکہ یہاں کا مال و دولت لوٹ سکے۔ وہ ایک انتہائی زیرک انسان اور حکمران تھا۔ لہٰذا ہندوستان کی ہر ریاست کو انگریزوں کے خلاف اتحاد کی دعوت دی مگر ان ریاستوں کے مفاد پرست حکمران ٹیپو سلطان کی دور اندیشی کو سمجھنے سے قاصر رہے۔ دوسری جانب انگریزوں نے بھی اپنی روایتی پالیسی ''تقسیم کرو اور حکومت کرو'' پر عمل کرتے ہوئے بعض ریاستی حکمرانوں کو باور کرایا کہ ٹیپو سلطان توسیع پسندی کا خواہش مند ہے۔ عاقبت نا اندیش ریاستی حکمران یہ بے بنیاد الزام اور من گھڑت کہانی سن کر بھڑک اٹھے کاش یہ حکمران ٹیپو سلطان کی حب الوطنی اور بصیرت کو سمجھ جاتے تو آج ہندوستان کی تاریخ مختلف ہوتی۔

شہادت کے وقت ٹیپو سلطان کی عمر 48 سال 5 ماہ اور 14 دن تھی۔ وہ بظاہر تو دنیا سے پردہ فرما گئے مگر ان کی روح آج بھی ہر اس مسلمان مجاہد کے تنِ خاکی میں موجزن ہے جو دینِ اسلام اور حق کی سربلندی اور مادرِ وطن کی آزادی کے تحفظ کے لیے مصروفِ جہاد ہے۔ پاکستانی قوم کے لیڈران کے لیے بھی ٹیپو سلطان کا فرمان ''شیر کی ایک دن کی زندگی گیدڑ کی سو سالہ زندگی سے بہتر ہے'' ماٹو ہونا چاہیے۔ اسلامیانِ ہند کا یہ قابلِ فخر راہنما اور سپوت اپنوں سے زیادہ غداروں میں گھرا ہوا تھا۔ انگریزوں کے خلاف آخری معرکہ سے قبل اسے ان ملت فروشوں کی اصلیت کا پتہ چل گیا تھا مگر وہ دلبرداشتہ اور مایوس نہ ہوا اور مالکِ کائنات پر توکل کرتے ہوئے میدان جنگ میں اتر گیا۔ دینِ اسلام کی ناموس اور مادرِ وطن کی حرمت پر جان نثار کر دینے والے اس عظیم المرتبت حکمران کی عظمت کا خورشید تا قیامت روشن رہے گا اور عالم اسلام کے حریت پسند اس کی روشنی سے اپنے قلب و روح کو منور کرتے رہیں گے ٹیپو سلطان کی آخری آرامگاہ ''گنبدِ سلطانی'' کہلاتی ہے۔ یہ سرنگاپٹم کے لال باغ میں واقع ہے۔ سلطان ٹیپو کے قبر کی مٹی میں آج بھی بے شمار زندہ افراد کی زندگیوں سے زیادہ حرارت موجود ہے۔ عموماً بادشاہوں کے مزار سیاست اور تفریح کے لیے استعمال ہوتے ہیں لیکن ٹیپو سلطان رحمۃ اللہ علیہ کا ہر سال عرس ہوتا ہے۔ مسلمان، ہندو اور عیسائی بڑی عقیدت سے تقریبات میں شرکت کرتے ہیں۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

باخبر شوازِ مقام آدمی

حافظ شیخ محمد قاسم

سہون شریف لال شہباز قلندر کے مزار پر حاضری ہوئی۔ پریس کلب میں شاہ جی نے صحافیوں سے خطاب کیا۔ رات دادو میں یارسول اللہ کانفرنس سے آپ نے خطاب کرنا تھا۔ گرمیوں کی رات کا پتہ ہی نہیں چلتا ختم ہوجاتی ہے۔ ایک بجے رات کانفرنس ختم ہوئی اور ہم لاڑکانہ کے لئے روانہ ہوئے۔ احباب نے روکا کہ راستہ خطرناک ہے اس وقت آرام فرمائیں اور صبح سفر پر روانہ ہوں لیکن وہ لوگ جنہیں شاہ جی کا قرب نصیب ہوا، جانتے ہیں کہ ان کے عزم اور ارادہ کو بدلنا خاصا دشوار ہوتا ہے۔

سفر پر نکل تو پڑے لیکن اچانک آندھی اور طوفان نے گھیر لیا۔ بارش کبھی رکتی اور کبھی برستی۔ سنگل روڈ پر گاڑی ویسے بھی چلانا قدرے دشوار محسوس ہورہی تھی اور میری بدقسمتی کہ نیند مسلسل مجھے چھیڑ رہی تھی اور میں اس کی شرارت سے تنگ آچکا تھا شاہ جی نے میری مشکل محسوس کی اور مجھ سے گاڑی لے لی۔ بارش سے دُھلی ہوئی سڑک پر شاہ جی گاڑی چلانے لگے۔ تیز رفتاری کے باعث اب میری نیند نے کہیں اور پناہ تلاش کرلی۔ گاڑی کے مخالف دوڑتے ہوئے درخت بتلا رہے تھے کہ رفتار زیادہ ہی تیز ہے۔ سڑک کے دو رویہ فوجی نوجوان ڈیوٹی پر مامور تھے کچھ فاصلہ طے کر لینے کے بعد ایک ''ٹرک ہوٹل'' پر شاہ جی نے چائے پینا چاہی اور دوست احباب نے بھی پسند یہی کیا کہ رک جانا مناسب ہے۔ شاہ جی بان کی چارپائی پر آلتی پالتی مار کر تشریف فرما ہوئے اور ایک ساتھی پاؤں دبانے میں مشغول ہوگیا۔ سڑک پر ڈیوٹی پر مامور ایک فوجی نوجوان شاید ڈیوٹی ختم کرنے کے بعد شاہ جی کے پاس آیا۔ سندھی آداب کے ساتھ سلام کیا اور شاہ جی نے شفقت کے ساتھ اس سے نام پوچھا:

''جلال الدین اکبر'' اس نے ادب سے جواب دیا۔

اچھا تو آپ اکبر ہیں؟ شاہ جی نے کہا۔

اکبر بولا سائیں اکبر کیسا آدمی تھا۔ ہمارے مولانا تو اسے بہت برا کہتے ہیں۔

شاہ جی نے تاریخ کی اوراق گردانی کی اور فرمایا:

''اکبر کا عروج اس کے حسن انتظام میں مضمر تھا اوائل عمر میں صوفیاء کی محبت میں وہ سرشار رہتا تھا بلکہ اس نے اپنے بیٹے کا نام خواجہ سلیم چشتیکے نام پر رکھا تھا جو بعد میں جہانگیر بن کر مشہور ہوا۔ اکبر بابا کی نسبت سے جہانگیر کو ''شیخو بابا'' کہا کرتا تھا۔ اپنے اس بیٹے کی پیدائش پر وہ آگرہ سے اجمیر تک 230 میل تقریباً پیدل چل کر حضرت خواجہ غریب نواز کے مزار پر حاضر ہوا بلکہ تعمیر روضہ بھی کرائی۔ اقتدار سرکش ہوا تو صحبت بگڑی اور اسے اتحاد مذاہب کے عفریت ڈسنے لگے، بنیادی طور پر جاہل تھا، بگڑے ہوئے علماء اور بدکردار عمائدین سلطنت نے اسے بدعقیدگی کی لپیٹ میں لے لیا''۔

چائے سے فارغ ہونے کے بعد لاڑکانہ روانہ ہوئے اور رات لاڑکانہ میں بسر کی۔ صبح سلسلہ نقشبندیہ کی معروف خانقاہ قنبر شریف حاضری ہوئی۔ سائیں غلام حسین نے پرتپاک، والہانہ اور خلوص سے بھرپور استقبال فرمایا۔ شاہ جی قبلہ حضرت پیر صاحب والاشان سے بہت متاثر ہوئے۔ باطن کی صفائی، نیت کا اخلاص، روح کی پاکیزگی اور اخلاق کی رفعت سب کچھ دیدنی تھا۔ پیر صاحب خانقاہ شریف میں قائم خوبصورت، وسیع اور کشادہ مسجد میں لے گئے۔ فن تعمیر پاکیزہ چاہتوں کا امین رنگ و رامش شگفتہ طبعی کا ذریعہ اور حسن انتظام داد و تحسین کا محرک بن رہا تھا۔ ظہر یا عصر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھی اور پیر صاحب نے شاہ جی کو رخصت کیا۔ دونوں بزرگوں کو دیکھ کر ایک شعر یاد آیا:

انہیں دیکھو وہ رخصت ہو رہے ہیں
مجھے دیکھو میں رخصت کر رہا ہوں

رخصت ہوئے تو میں نے شاہ جی کو گاڑی میں غور سے دیکھا۔ لگا جیسے آپ مخدومیت سے تنگ ہوں اور ایک سچے طالب اور سالک کا تواضع اور فقران کی اداؤں سے چھلک رہا ہو۔ قریب رہنے والے دوست جانتے ہیں کہ شاہ صاحب پڑھا رہے ہوں تو محترم اور شفیق استاد ہونے کے ساتھ سینکڑوں کتابوں کا دائرۃ المعارف بنے ہوتے ہیں۔ دوستوں میں کسی پہاڑ کی اوٹ میں محو گفتگو ہوں تو لگتا ہے جیسے کبھی کتاب کو ہاتھ نہیں لگایا۔ ڈیرے پر آلتی پالتی مار کر جلوہ فروز ہوں اور مسائل کا تجزیہ کررہے ہوں تو محسوس ہوتا ہے جیسے شاہ جی ساری زندگی سیاست کے معلم و مبصر رہے ہوں۔ مغربی اور مشرقی علوم پر دسترس رکھنے والے شاہ جی کی زندگی کا ایک رخ یہ بھی ہے کہ وہ محبت کی دنیا سے میم اور الفت کے جہاں سے الف اور ہیبت و متانت کی ہفت اقلیم سے ہا کی آمیزش سے ماہ نور تخلیق کرتے رہتے ہیں۔ میں نے جرأت کی اور پوچھا اب ارادہ کیا ہے؟

شاہ جی نے فرمایا:

قاسم! جدِ امجد حضرت خواجۂ خواجگان مخدوم المخادیم پیر سید صدر الدین بادشاہ اور سپہر عشق کے ماہ تابندہ حضرت پیر سید جلال محمد مکی علیہ الرحمہ کے مزارات پر

حاضری کا ارادہ رکھتا ہوں۔ آپ کا مزار پاک بھکھر میں مرجع خلائق ہے۔ حضرت سید جلال محمد مکی سید عبداللہ شاہ غازی کے بعد سندھ میں تشریف فرما ہونے والے پہلے بزرگ ہیں۔ آپ علوم میں یگانہ اور معرفت میں فرد فرید تھے۔ آپ کے مزار سے ہمہ دم ہیبت اور جلال کا ترشح ہورہا ہوتا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔"

شاہ جی کی معیت میں حاضری ہوئی۔ کراچی سے آنے والی گاڑیاں واپس بھیجیں اور راولپنڈی روانگی کے لئے ائرپورٹ پر پہنچے تو جہاز میں بورڈنگ بند ہو چکی تھی۔ شاہ جی نے فرمایا دیکھو اگر ریل پر نشست مل جائے تو وہ ہی ٹھیک ہے۔ سکھر قیام ممکن نہیں، رات آٹھ یا نو بجے ریلوے سٹیشن پہنچے۔ مشکل پیش آئی لیکن نشست محفوظ ہوگئی۔ سکھر کے علماء ومشائخ الوداع کہنے کے لئے تشریف فرما ہوئے۔ سٹیشن ماسٹر خود حاضر ہوئے۔ شاہ جی نے اعلیٰ درجہ کی انتظار گاہ میں چائے نوش کی اور ریل میں نشست گاہ کی طرف بڑھے، عوام میں ایک بے قراری پائی جاتی تھی۔ مصافحہ، دست بوسی اور قدم بوسی عقیدتوں کا اظہار اپنے اپنے انداز میں ہورہا تھا۔ شاہ جی کی محبت اور عقیدت لوگوں میں خوشبو بن کر پھیل چکی تھی۔ وسل بجی اور لوگ گاڑی سے اتر گئے اور شاہ جی بغیر کسی انتظار کے برتھ پر چڑھ گئے اور چہرے پر چادر لے کر ذکر وفکر میں مشغول ہوگئے۔ راقم کی نشست کے بالکل سامنے ایک جواں سال خاتون دیکھا تو زار وقطار رو رہی تھی۔ میرے دل میں تجسس، حیرت اور ہمدردی کے جذبات امڈ آئے، چاہا کہ پوچھوں کہ وہ خاتون کیوں رو رہی ہے۔ وہ خود مجھ سے پوچھنے لگیں یہ بزرگ کون ہیں؟

مصیبت ہے شاہ جی نے ہم پر پابندی لگا رکھی ہے کہ راستے میں کسی سے ان کا تعارف نہ کرایا جائے۔ قبل اس کے کہ میں بولتا شاہ جی خود نیچے اتر آئے اور لڑکی سے پوچھا بیٹی رو کیوں رہی ہو؟ تھوڑی دیر کے لئے وہ لڑکی حواس پر گرفت کھو بیٹھی، سراسیمگی نے اس کے وجود کو درکا دیا۔ تھوڑا وقت گذرا تو لڑکی نے تھر تھرائی اور بھرائی آواز میں کہا میرا نام عائشہ ہے کیا آپ مجھے اپنی سرگزشت بیان کرنے کا موقع دیں گے۔ شاہ جی نے فرمایا بیٹی بتاؤ کیا مشکل ہے۔ معلوم ہوا کسی اوباش لڑکے نے اس سے شادی کی اور پندرہ دن بعد بھاگ کر امریکہ چلا گیا اور وہاں سے طلاق نامہ ارسال کر دیا۔ عائشہ کی حالت غیر تھی۔ وہ غصہ، انتقام اور حق خواہی کے جذبوں کی آگ میں گویا جل رہی تھی محسوس ہورہا تھا جیسے وہ سفارت خانے میں پہنچ کر سب کچھ جلا دے گی۔ شاہ جی حالات کا تفہم کر چکے تھے آپ نے اسے تسلی دی اور فرمایا سو جاؤ انشاء اللہ پنڈی پہنچ کر آپ میرے گھر رہنا میں تمہارا باپ بن کر جو کر سکا کروں گا۔ راولپنڈی پہنچے تو اب ہم دو نہیں چار تھے۔ گھر داخل ہوئے تو بی بی اماں نے استقبال کیا اور مجھے فرمانے لگیں قاسم بیٹا! ہمارے لئے یہ کوئی نئی بات نہیں۔ سید گھرانے کی ریت ہے وہ بیواؤں، مسکینوں اور ضرورت مندوں کی کفالت اپنی زندگی کا مقصد سمجھتے ہیں۔ میں خود شاہ جی کے گھر چونکہ بیٹا بن کر پروان چڑھا ہوں مجھے یقین سا تھا کہ شاہ جی فرماتے ہیں کہ زندگی میں مشکل فیصلے تکلیف دہ ہوتے ہیں لیکن نتیجہ خیز بن جائیں تو جنت کا سکون عطا کرتے ہیں۔

قارئین!

یقین جانئے تین سال، لگتا تھا جیسے شاہ جی کی اپنی بیٹی سکھر رہتی ہے۔ تحائف بھیجے جارہے ہیں۔ عیدیاں ارسال کی جارہی ہیں۔ فون پر گھنٹوں آپ عائشہ کو تسلیاں دئے جارہے ہیں اس دوران اللہ نے عائشہ بہن کو ایک بیٹی عطا فرما دی ایک دن وہ اسے لے کر پنڈی آئیں، شاہ جی کے گھر جیسے جشن ہوتا ہے، بہت کم ہوتا ہے کہ شاہ جی کسی کو اسٹیشن خود لینے جائیں۔ یہ بھی میں نے آنکھوں سے دیکھا۔ ہزاروں کے اجتماع میں خطابت کے گوہر لٹانے والا شاہ جی، محفل ذکر میں متانت کی چادر اوڑھ کر، سچائیوں کا مقسم جب کسی کو تکلیف میں دیکھے تو محسوس ہوتا ہے جیسے درد کی سوئیاں ان کے جسم میں کھب رہی ہوں۔ مجھے اندازہ نہیں تین سالوں میں شاہ جی نے عائشہ بہن کے ساتھ کیسا کیسا حسن سلوک برتا البتہ مجھے یہ حیرانگی ضرور ہے کہ آپ نے امریکہ اور کینیڈا سے اس کا خاوند تلاش کر لیا اور پاکستان بلا لیا۔ تحقیق سے پتہ چلا کہ طلاق نامہ جعلی تھا اب میں صرف اس دلپذیر لمحے کی خوشیوں کی گواہی دوں گا جب اظہر اپنی بیگم عائشہ اور بیٹی ارم کے ساتھ سکھر روانہ ہورہا تھا اور شاہ جی الوداع کرتے ہوئے فرما رہے تھے اللہ خوشیاں نصیب فرمائے۔ چند دن پہلے عائشہ بہن کا فون آیا کہ شاہ جی رابطے میں نہیں آرہے۔ اللہ نے ہمیں بیٹا عطا فرمایا ہے۔ ہم شاہ جی کے مرید ہیں لیکن شاہ جی ملتے نہیں۔ شاہ جی سے صورت حال عرض کی تو آپ نے صرف اتنا فرمایا:

"قاسم میں ٹرین میں سولہ سال بعد صرف عائشہ کے لیے بیٹھا تھا، اب اسے کہو غم خوشیوں میں ڈھل گئے ہیں تو اللہ اللہ کرو، مجھ سے رابطے کا کوئی فائدہ نہیں رب راکھا"۔

شاہ جی کو دیکھ کر اقبال یاد آئے اور اقبال کو پڑھ کر شاہ جی اچھے لگتے ہیں:

باخبر شو از مقام آدمی

بقیہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ

جو چلتا ہے وہ رکتا ہے

اللہ اکبر!

جو بھیجتا ہے وہ بلاتا ہے

وہ گھڑیاں آ پہنچیں اور وہ ساعتیں

جب زمان ومکاں کا یہ انوکھا منادی،

مؤذن، وفا کیش رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا سے اٹھنے لگا

جان کنی کا عالم طاری ہوا

پاس موجود بیوی محترمہ کی زبان پر یہ الفاظ

جاری ہوگئے

"واحزناہ"

ہائے میری مصیبت

عاشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آنکھیں کھول دیں اور

تڑپ کر فرمایا

"واطرباہ"

واہ واہ میری خوشی

اور۔۔۔۔۔۔

پھر۔۔۔۔!!

محبت کا آخری گیت

پیار کا آخری نغمہ

اور عشق کا آخری ترانہ

لبوں سے ادا کیا

غداً نلقی الاحبہ

محمداً و صحبہ

کل ہم دوستوں سے ملیں گے

جان محبت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور

آپ کے ساتھیوں کی زیارت کریں گے

اسی کے ساتھ شہید محبت کی نطق نے

اسم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بوسے لیے اور جان

جان آفرین کے سپرد کر دی

انا للہ وانا الیہ راجعون